بہ سرپرستی صدر انجمن احمدیہ قادیان

(آیہ قرآنی)

وان مّن اُمّۃ الّا خلا فیھا نذیر

ترجمہ

(کوئی ایسی قوم نہیں جس میں کوئی نبی نہیں آیا)

کرشن اوتار

مصنّفہ

خواجہ کمال الدین بی اے ایل ایل بی

وکیل چیفکورٹ پنجاب

حافظ سلطان احمد پرنٹر کے اہتمام سے

رفاہ عام سٹیم پریس لاہور میں چھپا

ستمبر سنہ ۱۹۰۱ء

تعداد اشاعت دس ہزار

مفت تقسیم کیا گیا

یہ کتاب

ہندوستان کے نبی

عالی حضرت

شری کرشن جی مہاراج

کی یاد میں

دس ہزار کاپی چھپوا کر مفت تقسیم کی گئی

کمال الدین وکیل

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

کرشن اوتار

यदा यदा हि धर्मस्य ग्लानि भवति भारत। अभ्युत्थान
म धर्मस्य तदात्मानं सृजाम्यहम् ।७।

آج تقریباً پانچ ہزار برس گذر گئے جب خدائے قدوس نے مذکورہ بالا کلام اس ملک کے ایک مقدس نبی کی زبان پر جاری کیا جس کا ترجمہ فیضی نے بہ الفاظ ذیل کیا ہے:۔

چو بُنیادِ دیں سُست گردد بسے
نمائیم خود را بہ شکلِ کسے

یہ کلمۂ معرفت حضرت کرشن علیہ السلام پر نازل ہوا تھا جب وہ خدا تعالےٰ سے منصب نبوت پاکر اس ملک ہند میں مبعوث ہوئے تھے۔ اس وقت یہ زمین ایک طرح کی شیطانی حکومت کے زیر اثر آکر طرح طرح کی خرابیوں اور شرارتوں کا گھر بن رہی تھی۔ خدا کا علم اور پرماتما کا گیان تو درکنار معمولی وید پاٹھ سے بھی یہاں کے برہمن اور پنڈت عاری ہو چکے تھے۔ کیا راجا کیا پرجا قسما قسم کی ناپاکیوں اور بد اخلاقیوں میں مبتلا تھے۔ فسق اور فجور کا ایک دریا تھا جو بھارت ورش کے سمت سمت میں اُمڈا آرہا تھا۔ الغرض اس جگہ کچھ اسی قسم کا اندھیر چھا رہا تھا کہ جب الٰہی غیرت جوش میں آکر اپنے نور کا مظہر کسی

مقدس انسان کو بنایا کرتی ہے۔ اور جو نور دُنیا میں آکر اُس ظلمت اور اندھیر کو دور کر دیا کرتا ہے سیری مہاراج کرشن جی کی پیدائش سے پہلے کا زمانہ بھی اپنی مردہ حالت کے باعث اس بات کو چاہتا تھا کہ خدا کی طرف سے روشنی نازل ہوکر اس ملک کو از سر نو زندگی بخشے۔ چنانچہ نور ازلی نے راجہ کنس کی ہمشیرہ کے بیٹے میں ظہور کیا جنہے نہاں سے ایک خطرناک کلجگ کو دور کر کے ملک میں کئی آنے والی صدیوں تک ست جگ کی بنیاد رکھی +

مذکورہ بالا الفاظ میں شری مہاراج کرشن جی ارجن کو مخاطب کر کے نہ صرف اپنی مبارک آمد کا ہی راز اس پر ظاہر کرتے ہیں بلکہ ارجن جی کو اس فلسفہ حقہ سے بھی اطلاع دیتے ہیں کہ جس کے مطابق پرماتما کی طرف سے وقتاً فوقتاً نبی رشی اور آوتار مختلف ممالک میں اصلاح انسان کے لیئے حسب ضرورت وقت آیا کرتے ہیں۔ ان الفاظ میں کرشن جی اپنے ملہم حقیقی کی زبان میں ظاہر کرتے ہیں۔ کہ جب کبھی دنیا میں لا مذہبی پھیل جاتی ہے۔ اور پرتھوی سے دھرم اُٹھ جاتا ہے۔ اس وقت دنیا پر میں کسی انسان کی شکل میں ظاہر ہوکر دنیا کو گناہ سے پاک کیا کرتا ہوں۔ یہ پاک الفاظ جیسے فی نفسہ ایک عظیم الشان صداقت اپنے اندر رکھتے ہیں ویسے ہی اپنی خارجی تصدیق کے لئے کسی بھاری دلیل کے محتاج نہیں۔ ان کی شہادت ہمیں آئے دن خدا کے اُس نظام اور اس کے اُس قانون قدرت سے ملتی ہے جس سے ہماری جسمانی زندگی وابستہ ہے۔ جب بارش کو ہوئے ہوئے ایک لمبا عرصہ گذر جاتا ہے تو زمین پر تباہی اور ہلاکت کے سامان ہر طرف پیدا ہو جاتے ہیں۔ عالم نباتات پر ایک مردنی چھاکر تمام درخت مثمر اور غیر مثمر مرجھا جاتے ہیں۔ اناج پھل پھول اول تو بہت ہی قلیل مقدار میں ہوتے ہیں۔ اور جو ہوتے ہیں وہ پرلے درجہ کے بدمزہ۔ بے ذائقہ اور مُضر صحت۔ طرح طرح کی امراض اور وبائیں پیدا ہوکر انسان۔ حیوان اور دیگر مخلوقات کو موت تک پہنچاتے ہیں ندی نالے۔ کوئیں دن بدن خشک ہوتے جاتے ہیں۔ دریائی پانیوں میں بھی حیاتی مادہ اس قدر مفقود ہو جاتا ہے کہ آخر کار مچھلیاں شکم دریا میں ہی مرکر سطح آب پر مردہ تیرنے لگ جاتی ہیں۔ ایسے وقت میں کیا چرند کیا پرند کیا حیوان کیا انسان سب کی نگاہ آسمان کی طرف اُٹھتی ہے۔ ایسے وقت میں ہی رحمت الٰہی جوش زن ہوکر بارش کو بھیجتی ہے جس سے مردہ زمین از سر نو زندہ ہو جاتی ہے۔ اور پھر ایک مدت تک اس کی سرسبزی

بحال رہتی ہے۔ انسان کی زندگی اسی آسمانی پانی پر منحصر ہے جس کا ہر موسم پر کم و بیش آسمان سے اُترنا انسان کے لئے ازبس ضروری ہے۔ ہاں بعض وقت ایسا بھی ہوتا ہے۔ کہ امساک باراں ایک لمبے عرصہ تک رہتا ہے جس کے بعد ایک زبردست برسات کی ضرورت پیدا ہوجاتی ہے۔ ہو بہو یہی حال روحانی عالم کا ہے۔ اس کا حصر بھی اس خدا کے کلام پر ہے جو انسانی روح کے لئے بمنزلہ آب حیات ہے۔ روح کی بقا بھی اسی بات پر منحصر ہے کہ آسمان سے خدا کا کلام بھی وقتاً فوقتاً کم و بیش حالت میں اُترتا رہے۔ ہاں جب کسی خدا کے زبردست مظہر اور اوتار کو جس کا زمانہ ایک روحانی برسات کا زمانہ ہوتا ہے۔ دنیا سے تشریف لے جاتے ہوئے ایک مدت گذر جاتی ہے تو وہ گیان اور معرفت کا پانی جو اُس مقدس انسان کے مبارک زمانہ میں بارانِ رحمت ہوکر برسا تھا وہ دنیا سے آہستہ آہستہ خشک ہوجاتا ہے۔ دُنیا سے روحانی زندگی کے آثار دن بدن مفقود ہونے لگتے ہیں۔ روحانی درخت اور روحانی پودے سب مُرجھا جاتے ہیں۔ روحانی امراض اور روحانی وبائیں قسما قسم کے گناہوں کی شکل اختیار کرکے انسانی روح کی ہلاکت کا موجب ہوجاتی ہیں۔ بڑے بڑے عالم اور پنڈت جو بمنزلہ دریا اور نہروں کے تھے ان کے دل و دماغ میں بھی روحانی خشکی چھا جاتی ہے۔ اور جو تھوڑا بہت پانی گیان اور معرفت کا کسی کے ہاں رہ بھی جاتا ہے۔ تو اس کے مقابل اس قسم کی روحانی کثافتیں اور غلاظتیں بعد میں پیدا ہوجاتی ہیں کہ وہ قلیل پانی روحانی حیات کے لئے مکتفی نہیں ہوتا۔ یہ وہ وقت ہوتا ہے کہ جب کسی زبردست روحانی برسات کی ضرورت ہوتی ہے۔ ایسی ظلمت کے وقت ہی الٰہی رحمت جوش زن ہوکر اپنے نور کو کسی کامل انسان کی شکل میں اُتارا کرتی ہے۔ زمین روحانی بارش سے سیراب ہوکر ایک تازہ زندگی مخلوق کو بخشتی ہے۔ چنانچہ کرشن جی مہاراج بھی ایسی روحانی خشک سالی اور ایسی روحانی بارش کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ جب آپ اپنے ملہم حقیقی کی طرف سے فرماتے ہیں کہ "جب جب پرتھوی پر دھرم نہیں رہتا تب تب دھرم کے قائم کرنے کے لئے میں زمین پر اُترا کرتا ہوں"۔

اس پر ماتما کے عظیم الشان مظہر کے ان الفاظ پر جب ہم غور کرتے ہیں اور خدا تعالےٰ کے قانون قدرت میں جو جسمانیات کے متعلق صحیفۂ قدرت میں نظر آرہا ہے۔ جب آے دن ان الفاظ کی صداقت کی شہادت پاتے ہیں تو اس سے

بدیہہ بطلان اس عقیدہ کا ہوجاتا ہے۔ جس کے رو سے مانا گیا ہے کہ خدا تعالےٰ کا الہام ایک ہی دفعہ دنیا میں نازل ہؤا اور پھر الہام الٰہی پر مہر لگ گئی۔ بیشک اگر بقاء نوع انسان کے لئے جسمانیات میں خدا تعالےٰ کا یہی قانون قدرت ہوتا کہ وہ ایک ہی دفعہ کافی مقدار میں بارش برسا کر پھر ہمیشہ کے لئے بارش کا دروازہ بند کر دیتا اور پھر زمین میں ہی اس قدر پانی جمع ہوتا اور اس میں حیات کا مادہ بھی اتنا قائم رہتا کہ وہ ہمیشہ کیلیے آیندہ کی ضروریات کو مکتفی ہوجاتا۔ تو روحانی نظام میں بھی یہ امر ہم تسلیم کر لیتے کہ یک دفعہ کی روحانی بارش بھی ہمیشہ کے لیے انسانی روح کی نشو و نما کے لیے مکتفی ہو گی۔ لیکن جیسے کہ پہلے ہم ذکر کر آئے ہیں ایک وقت کا بھاری سے بھاری برسات بھی وقتی ضرورت کے لحاظ سے ہی مُردہ زمین کو زندہ کر کے ایک آنے والے وقت تک حیات کا مادہ اپنے اندر رکھتا ہے۔ اور یہ بھی اس صورت میں کہ ہر موسم پر کم و بیش بارش ہو کر اس حیاتی مادہ کو قائم رکھے لیکن پھر بھی ایک عرصہ کے بعد امساک ہو جاتا ہے۔ اور زمین پر نئی قسم کی کثافتیں اور غلاظتیں اس بہتائت سے اس برسات کے بعد پیدا ہو جاتی ہیں کہ اُس برسات کا زمین میں ذخیرہ شدہ پانی بھی ان کو دور نہیں کر سکتا جب تک کہ ایک زبردست بارش آسمان سے اُتر کر از سر نو ان تمام کثافتوں اور گندوں کو دھونہ ڈالے کہ جنھوں نے اپنی بہتات کے باعث پہلی بارش کے باقی ماندہ پانی کو بے سُود ثابت کر دیا تھا یہی حالت اس الہام الٰہی کی ہوجاتی ہے جو کسی وقت خاص زمانہ میں اُس زمانہ کی وقتی ضروریات کو مدِّ نظر رکھ کر کسی مقدّس انسان کے ذریعہ زمین پر نازل ہوتا ہے۔ اور اُس وقت اور ایسا ہی بعد میں بھی ایک مدّت دراز تک اپنی قوت قدسی سے روحانی مفاسد اور روحانی امراض کا قلع قمع کرتا رہتا ہے۔ لیکن پھر جب ایک مُدّت گذر جانے کے بعد زمین پر بالکل نئے قسم کے مفاسد پیدا ہوجاتے ہیں۔ اور ایسا ہی ان گناہوں پر جو پہلے الہام کے نازل ہونے کے وقت زمانہ میں موجود تھے ایک بھاری ایزاد ہو جاتی ہے۔ بلکہ نوعیت اور کیفیت کے لحاظ سے سابقہ گناہوں کے علاوہ قسما قسم کے بعض ایسے نئے گناہ پیدا ہوجاتے ہیں کہ اُن کی نظیر پہلے وقتوں میں نہیں ہوتی تو ایسے وقت میں ان نئے مفاسد کا علاج الہام سابقہ میں تلاش کرنا ایک بے سود امر ہے نئے مفاسد دفعیّہ کے لیے نئے علاج کے متقاضی ہوتے ہیں مثلاً

اگر ہم غور خانہ دوربین لگا کر گناہوں اور سیہ کاریوں کو ابتدا سے آج تک دیکھیں اور ایک فہرست مرتب کریں جس میں مختلف زمانے کے گناہوں کی جماعت بندی مختلف عنوان سے کی جاوے تو ہم کو تسلیم کرنا پڑیگا کہ زمانہ کی رفتار کے ساتھ سیہ کاری اور عصیان نے بھی ساتھ ساتھ ترقی کی اس امر کا اندازہ ہم آج بھی نہایت آسانی کے ساتھ اس حالت متقابلہ سے کر سکتے ہیں جو آج ایک سیدھی سادی دیہاتی سوسائٹی اور ایک شہری تربیت یافتہ سوسائٹی ہمارے سامنے پیش کرتی ہے۔ کیونکہ یہ امر مسلم ہے کہ تہذیب کی پہلے زینہ پر انسان کسان تھا اور دہقانی زندگی کے بعد ہی اور مختلف مدارج مدنیہ انسان نے طے کئے۔ اب کون نہیں جانتا کہ جو باتیں شہر کے تربیت یافتہ نہایت آزادی سے بلا خطرہ لوم لائم کر گذرتے ہیں اور انھیں گناہ نہیں جانتے وہ باتیں دیہاتیوں کی نگاہ میں گناہ کبیرہ سمجھے جاتے ہیں بالمقابل شہر کے لوگ سیہ کاری کے جس اونچے مقام پر پہنچے ہوے ہیں۔ اس کے پہلے زینہ سے بھی دیہاتی لوگ ناواقف ہیں۔ اب اگر انسان نے دیہاتی سوسائٹی سے چل کر موجودہ شہری سوسائٹی تک قدم مارا ہے تو کیا وہ روحانی علاج جو ایک کسانی دیہاتی سوسائٹی کے ابتدائی روحانی مفاسد کے لیے بذریعۂ الہام کسی قدیم زمانہ میں آسمان سے اترا تھا وہ آج کے شہری مفاسد کے لیے کس طرح مفید ہو سکتا ہے۔ لیکن گناہ اور بدیاں اپنی نوعیت اور کیفیت میں بدل گئی ہیں تو کیوں اُن کے علاج اور ان کے دفعیہ کے اسباب میں تبدیلی طبعاً نہ واقع ہو ٭

اس موقع پر یہ قیاس کر لینا ہرگز درست نہیں کہ مکمل الہام وہی الہام مانا جا سکتا ہے کہ جو ابتدا آفرینش کے ساتھ ہی نازل ہو۔ اور اس وقت اپنے اندر وہ تمام علاج رکھے کہ جس سے کل آنے والے مفاسد کا دفعیہ خاتمہ دنیا تک پہلے دن ہی ہو جاوے۔ کیونکہ الہام بھیجنے والا وہ خدا ہے جو عالم الغیب خدا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ یہ عقیدہ ضرور خوش کن عقیدہ ہے لیکن صحیفہ قدرت اس کا موید نہیں۔ یہ تو تو ہوتا اگر پیدائش نوع انسان کے ساتھ ہی انسانی امراض کا علاج یا اس کا علم بھی اسی دن پیدا ہو جاتا۔ خدا تعالےٰ نے کل اشیا کی حقائق کا علم انسان کو اس کی پیدائش کے ساتھ ہی نہیں دیا۔ یہ تو ہم دیکھتے ہیں کہ بسا اوقات ہماری ضرورت کے پیدا ہونے سے پہلے صحیفۂ قدرت وہ چیزیں مہیا کر چھوڑتا ہے کہ جن سے اُس

ضرورت کا دفعیہ ہوسکے۔ لیکن ایسی چیزوں کے علم ہونے میں اور ضرورت کے محسوس ہونے میں ایک مختصر سا وقفہ ہوتا ہے۔ انسان نے علم الاشیا بتدریج حسب ضرورت حاصل کیا۔ کل اشیاء کی ماہیت کو ایک ہی دن یا ایک ہی وقت پا لینا نہ انسانی دماغ کا خاصہ ہے۔ اور نہ انسانی ضرورت اس کی متقاضی ہے۔ مثلاً ادویات کا علم بھی ایک ہی دفعہ انسان کو حاصل نہیں ہؤا۔ کیونکہ اُن امراض کا وجود اور علم جن کے دفعیہ کے لئے وہ ادویات مطلوب تھیں ایک ہی وقت پیدا نہیں ہوا تھا۔ دن بدن علم اور مشاہدہ کے بڑھنے کے ساتھ ایک مرض کے ماتحت کئی امراض کی جماعت بندی ہوئی۔ اور اس کے ساتھ ساتھ علاج اور مٹریا میڈیکا کے متعلق حیرتناک افزائش ہوتی رہی۔ الغرض صحیفۂ قدرت کے بنانے والے خدا نے باوجود عالم الغیب ہونے کے انسان کے پیدا ہونے کے ساتھ ہی اس کو اُن تمام علوم سے ماہر نہیں کردیا جو اس نے اپنی ضروریات کے دفعیہ کے لیئے وقتاً فوقتاً حاصل کرنے تھے۔ اگر الہام کے متعلق یہ عقیدہ رکھا جائے کہ اس میں وقتی ضرورتوں کا علاج ہوتا ہے۔ اور جس وقت نئے مفاسد کا ظہور قریب ہو جاوے۔ تو اُنکے دفعیہ کے لیے اُنکے ظہور سے پہلے عالم الغیب خدا کی طرف سے الہام بھی ہونا چاہیئے۔ تو یہ ایسا عقیدہ ہوگا۔ کہ اس کی تائید کل صحیفۂ قدرت اور اس کے علوم کی تاریخ کرے گی۔ ایک وقت وہ تھا جب انسان کا ایک دوسرے سے اختلاط نہ تھا ایک قوم دوسری قوم سے آشنا نہ تھی۔ اور ایک قوم کے مختص امراض نے دوسری قوم میں سرایت نہ کی تھی۔ اس لیے ان قوموں کے طبی معلومات بھی محدود تھے۔ لیکن جب انسانی میل جول اس قدر وسیع ہونے لگا کہ کل دنیا ایک محلہ یا ایک شہر یا ملک کا حق رکھنے لگی۔ اور اس کا لازمی نتیجہ یہ ہونا تھا۔ کہ خاص ملک و قوم کی خاص خاص امراض نے دوسری اقوام میں سرایت کرکے امراض کی کیفیت اور کمیت کو بالکل نرالا اور پیچیدہ کر دینا تھا۔ تو خود بخود انسان کے طبائع نئی تحقیقاتوں کی طرف مائل ہوگئیں۔ اور یکدم دنیا کی مخلوقات میں ایک حیرتناک افزایش ہوگئی۔ اسی طرح یہ تو ممکن ہے کہ ابتدائی الہامی کتابوں میں جو ایسے وقت نازل ہوئی ہوں جب ایک قوم دوسری قوم سے ناواقف ہو اُن تمام مفاسد کے علاج ہوں جو اس کی مخاطب قوم میں موجود ہوں یا آیندہ اس میں ہونے والے ہوں۔ لیکن ایسی کتاب اپنے اندر وہ علاج نہیں رکھ سکتی جو ان روحانی مفاسد کا

دفعیہ بھی کرے۔ کہ جو اقوام کے مخلوط ہونے سے پیدا ہونے والے ہونگے
ہاں یہ ضرور ہے کہ عالم الغیب خدا کے علم میں جب کل دنیا کی قوموں کا اختلاط
قریب ہونے والا ہو تو پھر اس اختلاط کے شروع میں یا اس سے کچھ پہلے
جامع علاج بھی تجویز ہو جاوے +

یہی عقیدہ ہمارا روحانیت کے متعلق ہوسکتا ہے۔ اس کے برخلاف عقیدہ رکھنے والا ہم سے وہ بات منوانی چاہتا ہے۔ جس کا ثبوت محسوسات مشہودات اور عقل و علم کے نزدیک کچھ نہیں البتہ خوش اعتقادی ایک اور بات ہے۔ جس کے عقلمند کبھی قائل نہیں ہوئے۔ خدا ایک ہے اور اس کی وحدانیت اس کے ہر فعل سے ظاہر ہوتی ہے۔ پھر جسمانیات کے متعلق اس کے ہر شعبہ میں جب ایک ہی قانون ہے تو ہم کو روحانیات کے متعلق کیوں ایک نرالا قانون ماننے کے لیے مجبور کیا جاتا ہے۔ علاوہ ازیں یہ امر بھی غور طلب ہے۔ کہ اگر روحانیات میں ابتدا سے کلی اور مختتم علاج خدا تعالےٰ نے تجویز کرنا تھا۔ اور وہ علاج روحانی فسادات کے دفعیہ کے لیے کافی طاقت اپنے اندر رکھتا تھا تو پھر یہ امر بھی ضروری تھا کہ اس علاج کے ہوتے ہوئے آیندہ پھر کبھی نئے قسم کے مفسدات پیدا نہ ہوتے۔ اور نہ نئے قسم کے امراض روحانی انسان کو لاحق ہوتے +

اگر وید مقدس کے بعد کسی اور الہام کی ضرورت نہ تھی۔ اور یہ بھی ہم مان لیں کہ سری مہاراج رامچندر جی اور حضرت کرشن علیہ السلام اور عارف گوتم ہرگز ہرگز خدا تعالےٰ کے برگزیدہ انسان نہ تھے۔ نہ خدا تعالےٰ ان سے ہمکلام ہوا۔ کیونکہ اگر ہم ان بابرکات انسانوں کو خدا کا مظہر اُوتار اور خدا کی وحی کا مورد قرار دیں تو پھر ہم کو تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ وید کے بعد بھی نزول الہام ہُوا۔ ہاں اگر ہم یہ عقیدہ رکھیں کہ وید کے بعد پھر الہام کی ضرورت نہ رہی تو پھر ہم کو یہ بھی تسلیم کرنا پڑیگا کہ نزول وید کے بعد ہندوستان میں متواتر ست جگ رہا اور کلجگ پیدا نہیں ہُوا۔ لیکن تاریخ اس عقیدہ کی شاہد نہیں۔ اگر انھیں بزرگوں کا زمانہ ماقبل اور زمانہ مابعد دیکھا جاے تو ہم کو تسلیم کرنا پڑیگا کہ اُن کے ماقبل کا زمانہ ایک خطرناک کلجگ کا زمانہ تھا۔ اور ان کے آنے پر ست جگ پھر شروع ہوا۔ اور کئی صدیوں تک اُن کی برکات جاری رہیں۔ اور یہ عقیدہ کسی طرح بھی درست نہیں جیسے کہ اس ملک میں عام طور پر مانا گیا ہے کہ ویدوں کا زمانہ ست جگ تھا۔ اور پھر

یہ ست جگ ہمیشہ ہی جاری رہا۔ اور اب صرف تھوڑے ایک عرصہ سے کلجگ شروع ہوا ہے جو ایک مدت تک جاری رہ کر ختم ہو جاویگا۔ اور پھر از سر نو ظہور وید ہوگا۔ اول تو یہ عقیدہ واقعات کے برخلاف ہے۔ جب کرشن جی مہاراج نازل ہوئے کیا اُن سے ماقبل اور اُن کے مابعد کا زمانہ یکساں تھا۔ کیا کرشن علیہ السلام کے نزول کے وقت خطرناک روحانی ابتری نہ تھی۔ کیا انھوں نے اس روحانی ابتری کو دور نہیں کیا۔ کیا گوتم بدھ سے کچھ عرصہ پہلے ہندوستان پر اخلاقی اور روحانی موت وارد نہ تھی۔ پھر اس عارف باللہ نے آکر ملک کو الٰہی نور سے منور نہیں کیا۔ ہم کس طرح مان لیں کہ ست جگ ایک مُدت تک قائم رہا۔ اور پھر کلجگ شروع ہوا جو آج تک جاری ہے۔ ہمیں تو آئے دن اس ملک میں ست جگ اور کلجگ یکے بعد دیگرے پیدا ہوتے نظر آئے ہیں۔ جب زمانہ وید اور زمانہ ظہور حضرت رامچندر جی کے درمیان اور ایسا ہی آپ کے ایام اور کرشن علیہ السلام کی بعثت کے درمیان ہندوستان میں کلجگی کیفیت تھی۔ جو اُن کے ظہور کے بعد دور ہو کر متبدل بہ ست جگ ہو گئی تو پھر ہم اس کے برخلاف کیوں تسلیم کریں۔ در اصل جو شخص یہ تسلیم کریگا کہ وید ایک دفعہ نازل ہوا اور پھر کلام الٰہی نہیں اُتریگا۔ اُس کو ماننا پڑیگا کہ ست جگ ہی جاری رہا لیکن چونکہ وہ اپنے زمانہ میں زمانہ کو ابتر حالت میں دیکھتا ہے اس لیے مجبوراً اُسے کلجگ کے وجود کا اقرار کرنا پڑتا ہے۔ جس کے لیے اُسے یہ عقیدہ تراشنا پڑا ہے کہ کلجگ کے خاتمہ پر پھر وید ظہور کریگا۔ کاش آج تاریخ ہند کی محفوظ ہوتی تو پھر آپ کو ہم دکھا دیتے کہ اگر بزرگان مذکورہ بالا یا ہیچو قسم روحانی اوتاروں کا وقت درمیان سے نکال دیا جاوے تو پھر وید کے تھوڑے عرصہ بعد کلجگ ہی کلجگ ہندوستان میں تھا۔ میں کہتا ہوں کہ جب پہلا ظہور وید ست جگ پر تھا جس کے بعد کل جگ ہوا۔ اور اس کا خاتمہ پھر ظہور وید نے کرنا ہے تو پھر کیوں ہم اس امر کو تسلیم نہ کریں۔ کہ آئے دن زمانہ کے مفاسد کے مقابل وید زمین سے اُٹھ جاتا ہے۔ اور پھر آئے دن کسی بابرکت انسان کی معرفت اس کا نزول ہوتا ہے +

در اصل بات یہی ہے وید کہو یا خدا کا کلام جو کسی خاص ملک یا زمانہ سے مختص نہیں اس کے نزول کی ضرورت ہر وقت اور ہر زمانہ میں رہی۔ جُوں جُوں زمانہ بگڑتا گیا اس کے ساتھ ساتھ ہی اس کی اصلاح کی ضرورت بھی پیدا ہوتی گئی جب یہ صحیح امر ہے کہ ہر سہ بزرگان مذکورہ بالا تاریک ترین زمانۂ ہندوستان میں

پیدا ہوئے۔ اور پھر اُن کی پیدائش کے بعد وہ تاریکی آہستہ آہستہ ملک سے دور ہوتی گئی۔ اور پھر کئی آئندہ صدیوں تک ہندوستان میں خیر و برکت رہی تو گیا ان واقعات سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ وید کا الہام ایک ہی وقت نازل ہوا اور پھر پرماتمانے انسان کو اپنی حالت پر چھوڑ دیا۔ اور وید کی طفیل انسان اپنی اخلاقی حالت سے نہ گرا۔ بلکہ دن بدن اس کی روحانی حالت اچھی ہوتی گئی۔ جس سے خدا تعالےٰ کو از سرنو الہام کی ضرورت نہ پڑی۔ یا ان واقعات سے یہ امر مبرہن ہوتا ہے کہ ایک وقت تک وید ہندوستان کے لیئے خیر و برکت کا موجب ہوا جس کے بعد زمانہ پھر سیہ کاریوں میں مبتلا ہوا۔ اور جس کے دفعیہ کے لیے برہم گیان از سرنو کسی اور مقدس انسان پر نازل ہُوا۔ اور اس کے ذریعہ زمین آلہی نور سے منور ہوگئی۔ اور سیہ کاری کا خاتمہ ہوا۔ اور پھر جب اس مقدس انسان کو گذرے ہوئے ایک زمانہ دراز گذرا تو پھر سیہ کاری نے آسکہ جمایا جس کی بیخکنی کے لیے خدا کا نور پھر ایک اور انسان کی شکل میں ظاہر ہُوا۔ یہ جو نو دس اوتار آج تک ہندوستان میں مختلف شکلوں اور لباسوں میں ظہور پذیر ہوئے اُن کے حالات اور اس کے واقعات خواہ کیسے ہی عجائب پرستی اور مبالغہ نگاری اپنے اندر رکھتے ہوں۔ جن کے تسلیم کرنے کے لیے آج کسی شخص کو خواہ تامل بھی کیوں نہ ہو۔ لیکن ان تمام واقعات یا قصہ جات کی بنیاد بھی اسی مسئلہ حقہ پر ہے۔ جس پر ہم اس وقت بحث کر رہے ہیں۔ یہ سب کے سب اوتار بھی آخر کسی نہ کسی شیطان مجسم کی تباہی کے لیئے ظہور پذیر ہوئے تھے۔ کہ جس کے ناپاک وجود کی طفیل کل کی کل پرتھوی پاپوں سے لدی ہوئی تھی۔ جب کسی ناپاک روح نے کسی دُشٹ کی شکل میں روپ دھارا پرماتمانے بھی کسی مقدس انسان میں آسمان سے اتر کر اُس شیطان کا ستیاناس کیا۔ اور ملک کو اس کی ناپاکی سے نجات دی۔ الغرض خدا تعالےٰ کا وہ قانون قدرت جو جسمانیات کے متعلق ہم دیکھتے ہیں۔ اسی طرح زمانہ کا تمدن نیکی اور بدی کی ترقی۔ ہندوستان یا کسی اور ملک میں دھرم یا مذہب کی تاریخ اور سب کے بعد ہمارے معتقدات اور عقائد سب کے سب خدا تعالےٰ کے اس قول کی تائید کرتے ہیں جو اُس نے کرشن[a] کے منہ میں ڈالا ؎

چو بنیادِ دیں سست گردد بسے
نمائیم خود را بہ شکل کسے[1]

حاشیہ[a] جناب کرشن علیہ السلام کے ان الفاظ سے اور ایسے ہی آپ کے

میرے وطنی بھائیو آپ تو خدا کے فضل سے اب تعلیم یافتہ ہوگئے ہو۔ اگر آپ مذہب کے حدود سے باہر ہو کر کسی اور بیان کردہ صداقت کو صرف اسی صورت میں صداقت تسلیم کیا کرتے ہو جب وہ علم اور عقل اور واقعات مشہودہ محسوسہ کے مطابق پڑے۔ اور ہر ایک ایسے واقعہ کو خارج از صداقت سمجھتے ہو جو خلاف عقل اور مشاہدہ ہو تو پھر کیوں آپنے مذہب کے احاطہ

بقیہ صفحہ گزشتہ ازیں قبیل کلام سے جس میں آں جناب نے بعض ایسے امور اپنی طرف منسوب کئے ہیں جو خاص ذات باری سے تعلق رکھتے ہیں بعض گیان سے دور اور معرفت سے ناواقف اشخاص کو دھوکہ لگا ہے۔ جس سے وہ کرشن علیہ السلام کو خدا تعالےٰ کا مظہر اور پرمیشر کا اوتار ماننے کے بجائے اُنھیں خود برمھ اور پرمیشور ماننے لگ گئے ہیں ٹھیک اسی طرح کا مغالطہ عیسائی صاحبان کو جناب مسیح علیہ السلام کے بعض اقتداری کلمات سے ہوا ہے۔ حتیٰ کہ وہ بھی آج کرشن کی طرح صاحب الوہیت تسلیم کئے گئے ہیں نبی کریم جناب محمد مصطفےٰ احمد مجتبےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کے الفاظ بھی اپنے اقتدار میں کچھ ان بزرگوں سے کم نہ تھے۔ اور نہ ان کے خوارق معجزات ہی کچھ کم پایہ کے تھے کہ انھیں بھی خدا نہ مانا تھا۔ بلکہ وہ تو اپنے قول اور فعل کے باعث کرشن اور مسیح کے مقابل بوجہ اولےٰ خدائی کے دعویدار ہوسکتے تھے۔ لیکن ان کی تعلیم میں توحید کی حمایت اور شرک کی بیخکنی اس قسم کی تھی اور انھوں نے خصوصاً بطور حفظ ماتقدم جہاں کہیں اپنی رسالت کا ذکر کیا ساتھ ہی اپنا بندہ اور **عبد** ہونا بھی اس کثرت سے بیان کیا کہ باوجود ان کے زبردست معجزات اور ان کے اپنے جلال والے کاروبار کے آج ان کی تعلیم میں یہ نقص نہیں رہا۔ کہ کوئی ان کو خدا یا پرمیشر مانتا ہو۔ گذشتہ انبیا کی تعلیم پر محمدی تعلیم کو اگر کوئی خاص ترجیح ہے تو یہ ہے کہ گذشتہ انبیا نے اپنی تعلیم اور تبلیغ کے ساتھ کچھ ایسا اجمال اختیار کیا کہ جس سے لوگوں کو غلط فہمی بھی ہوگئی۔ لیکن جناب رسالتمآب نے جہاں کہیں کوئی تعلیم کی اس تعلیم کی غلط فہمی سے اگر کسی فساد کا احتمال ہوا تو اس کا سد باب بھی کر دیا +

اس میں شک نہیں کہ ان لوگوں کے ظہور سے بعض صفات الہیہ کا ظہور ہوتا ہے کیونکہ ان کے پاک وجود کے ذریعہ خدا تعالےٰ اپنی ہستی کو مخلوقات سے منوانا چاہتا ہے۔ یہ خدائے جلال کا کامل مظہر ہوتے ہیں۔ ان کے افعال میں خدائی رنگ ہوتا ہے۔ جس سے بعض ناواقف غلطیوں میں پڑ جاتے ہیں۔ دراصل بات یہ ہے کہ یہ لوگ اپنے کامل تذلل اور اتم عبودیت کے باعث ہر قسم کی انانیتوں خودیوں اور نفسانی

میں اِس عمدہ اور معقول اصول کو اپنے ہاتھ سے پھینکدیا ہے۔ پیارو وہ مذہب مذہب نہیں جس کو عقل تسلیم نہیں کرتی ۔ ہم ہرگز ہرگز کسی بات کے ماننے کے مکلف نہیں جو نہ صرف یہ کہ ہماری سمجھ میں ہی نہ آوے۔ بلکہ جس کو ہمارا مشاہدہ اور تجربہ بھی جھٹلاتا ہو۔ میرے دوستو کبھی آپ نے صحیفۂ قدرت کی اِس کھلی حقیقت پر بھی غور کیا۔ کہ اگرچہ ساری چیزیں خدا تعالےٰ

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ۔ خواہشوں سے پاک ہو جاتے ہیں ۔ جذبات کی کوئی حکومت ان پر نہیں ہوتی۔ ان کا ارادہ ان سے جدا ہو جاتا ہے۔ اور یہ ایک بے حس اور بیجان لوتھڑے کی طرح خدا تعالےٰ کے ہاتھ میں ہوتے ہیں۔ جس کو جس طرح وہ چاہتا ہے کام میں لاتا ہے ان کا ہر ایک قول اور فعل نہ اپنے لیے بلکہ خدا تعالےٰ کے لیے ہو جاتا ہے۔ ان کا چلنا پھرنا کھانا پینا۔ بولنا۔ سونا غرض ان کے کل افعال خدا تعالےٰ کے ارادے کے ماتحت ہوتے ہیں۔ وہ اس کے بولاے بولتے ہیں۔ اور اسی کے چلائے چلتے ہیں ۔ اسی کامل عبودیت کی طرف قرآن کریم اشارہ کرتا ہے جہاں جناب رسالت مآب محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کے متعلق کہا ہے :۔

قل انا صلاتی و نسکی ومحیای ومماتی للہ رب العٰلمین لا شریک لہ وبذالک امرت وانا اول المسلمین ۔ جز ۸ ع ۱۹۹

ترجمہ ۔ کہدے میری نماز میری اور عبادتیں میرا مرنا جینا سب رب العالمین کے لیے ہے۔ اور اس میں اس کا کوئی شریک نہیں اور یہی مجھے حکم ہے اور حکم ماننے والوں میں مَیں سب سے اول ہوں۔ یعنی مجھ میں کامل عبودیت ہے جو خدا تعالےٰ مجھے کہتا ہے مَیں کرتا ہوں ۔ میرا کوئی بھی فعل میری ذات کے لیے نہیں۔ بلکہ میرا ہر ایک فعل کیا از قسم عبادات اور کیا از قسم ضروریات زندگی سب اسی کے لیے ہے۔ جب ایک انسان کی یہ حالت ہو جاتی ہے۔ تو پھر اس کے قول اور فعل آلہی قول و فعل ہو جاتے ہیں۔ خدا تعالےٰ ان کی شکل میں مخلوقات پر ظاہر ہوتا ہے۔ اور پرماتما کی شکتی ان میں پرگٹ ہوتی ہے۔ یہ خدا تعالیٰ کی محبت کی آگ میں پڑ کر اس لوہے کی طرح ہو جاتے ہیں جو آخر کار آگ میں ڈالا جاکر آگ کے ہمرنگ ہو جاتا ہے۔ اور اُن لوگوں کو آگ ہی نظر آتا ہے جو پہلے سے اُس کی ماہیت سے ناواقف ہوتے ہیں۔ جس طرح لوہا باوجود شکل و خاصیت میں آگ ہونے پر آگ نہیں ہوتا بلکہ لوہا ہی رہتا ہے۔ اسی طرح یہ لوگ خدا میں مرکر خدائی رنگ اختیار کرکے پھر بھی خدا نہیں ہوسکتے۔ اسی قسم کے خاص آلہی رنگ میں جناب **کرشن علیہ السلام** بھی اس وقت رنگین تھے۔ جب

کی ہی بنائی ہوئی ہیں۔ لیکن جب ان کی خاص شکل صورت یا اُن کا خاص ہیولے مخلوق الٰہی کے لیے مفید نہیں رہتا تو وہ شکل صورت اور ہیولے دنیا سے آہستہ آہستہ مفقود ہو جاتا ہے۔ بلکہ خود ہی انسان اس کو اختیار نہیں کرتا وہ غذا جو شیر خوارگی کی حالت میں ہمارے لیے مفید ہوتی ہے جوان ہو کر اس کی شکل و نوعیت کو بدلنا ہی پڑتا ہے۔ اسی طرح جو حقائق اور معارف رگ وید میں ہونگے۔ اگر وہ خدا کی طرف سے نازل ہوئی ہے تو بالضرور وہ حقائق اور معارف اصولاً ہر ایک ایسی کتاب میں بھی ہونے چاہئیں جو اس کے بعد خدا تعالےٰ کی طرف سے مختلف ممالک مختلف اقوام اور مختلف زبانوں میں نازل ہوئیں۔ لیکن اگر پرمیشور کو یہ منظور ہوتا کہ کل دنیا اُن حقائق معارف کو رگ وید سے ہی لے۔ یا کم از کم ہندوستان کے لوگ پرمیشور کا گیان رگ وید کے ذریعہ حاصل کریں تو ضرور تھا کہ وہ کل دنیا کی زبان سنسکرت کر دیتا یا کم ازکم رگ وید کی زبان کو دنیا میں قائم رکھتا۔ یہ کیا وجہ ہے کہ رگ وید کے حقیقی

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ۔ وہ کنتی کے بیٹے ارجن کی رتھ چلا رہے تھے۔ یہی وہ حالت ہے جس نے مسیح سے الفاظ الفا و میگا وغیرہ کہلائے۔ یہی وہ صورت ہے جہاں جناب محمد مصطفےٰ علیہ الصلوۃ والسلام نے مخلوق الٰہی کو اپنے عبد اور بندہ کہا اور اپنے دشمنوں کی ہلاکت کے لیے آپ کا چند کنکریاں پھینکنا اور اُس سے بھاری فوج دشمن کا ہلاک ہو جانا خدائی فعل ظاہر کیا گیا ہے۔ یہی وہ صورت ہے جہاں اس زمانہ کے مسیح اور اوتار جناب مرزا غلام احمد علیہ السلام کو خدا تعالےٰ فرماتا ہے۔ کہ "میں تجھ سے ہوں اور تو مجھ سے ہے۔ تُو مجھے بمنزلہ توحید ہے وغیرہ وغیرہ ان الفاظ سے اور ان لوگوں کے الٰہی رنگ میں رنگین کاروبار سے ایک عارف دھوکہ نہیں کھا سکتا ہے۔ چونکہ اُن کے کل قول اور فعل ارادہ الٰہی سے ہوتے ہیں۔ اس لیے ان کے قول و فعل بمنزلہ قول و فعل الٰہی تو ضرور ہوتے ہیں۔ لیکن یہ اُسی کی مخلوق ہیں۔ اور اسی کے عباد میں داخل ہیں۔ یہ تو اُس آئینہ کی طرح ہوتے ہیں جس میں انوار الٰہی منعکس ہو رہے ہیں۔ لیکن جس بات نے نادانوں کی نگاہ میں اُن کو خدا اور پرمیشر منوایا ہے وہ تو عکس ہی ہے۔ اُن کا ذاتی جوہر نہیں۔ منہ

معارف اور حقائق - اس کا گیان اور اس کا علم تو مختلف شکلوں اور پیرایوں میں آج تک آسمان سے نو نازل ہو - لیکن وہ لباس جو گیان اور معرفت الٰہی نے ویدک زمانہ میں پہنا وہ آج بالکل دنیا سے اٹھ جاوے - عجب ترباتو یہ ہے کہ نہ صرف وہی زبان جو رگ وید کی ہے وہی ہندوستان کے کسی حصہ میں بولی نہیں جاتی - بلکہ اس سے ہزارہا برس کے بعد کی سنسکرت کا بھی نام و نشان بطور بولی کے کہیں نظر نہیں آتا - محققین کی رائے ہے کہ آج سے چند ہزار برس پہلے بھی رگ وید کی زبان ملک میں نہ بولی جاتی تھی - اور نہ لٹریچر میں استعمال ہوتی تھی آج تو کیا اُس وقت بھی وید کا حل کرنا ایک راز سربستہ کو کھولنا تھا - بلکہ ان اشکال کے باعث اور زبان وید کی انتہا اجنبیت کے باعث بعض وید بھاشکاروں کی یہ بھی رائے ہے کہ رگ وید کی زبان اپنے نازل ہونے کے وقت بھی بولی نہ جاتی تھی یہاں تک تو یہ امر قابل تسلیم ہے کہ وید کی زبان اُس زمانہ کی زبان سے فصیح ترین ہوگی اور اگر یہ خدا کا کلام ہے تو اس قسم کی فصیح زبان میں کوئی انسان نہ لکھ سکتا ہوگا نہ بول سکتا ہوگا - اور ان معنوں میں یہ کہنا بھی درست ہے - کہ رگ وید کی زبان کوئی نہ لکھ سکتا تھا نہ بول سکتا تھا - لیکن یہ زبان وہی زبان ہونی چاہیئے جو اس وقت عام طور پر لوگ بولتے ہونگے - کیونکہ جس خدا نے فہم تفہیم کے لیے زبان تجویز کی وہ اپنا کلام بھی اس زبان میں ہمیں بھیجے - تاکہ ہم اس کو سمجھ سکیں ہاں رگوید افصح نمونہ اس زبان کا ہوگا - لیکن مرور زمانہ نے آج اُسے اس قدر اجنبی کر رکھا ہے کہ اس کے مشکل اور ناقابل فہم ہونے کے متعلق آج جو جس کا جی چاہے کہہ سکتا ہے - اس کی اجنبیت اور غیریت اس سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتی ہے کہ جو پنجابی اور اردو بھاشہ ہندی ہماری مادری زبانیں ہو رہی ہیں - اگرچہ یہ سب کی سب سنسکرت سے ہی نکلی ہیں - تاہم ان کو کوئی مشابہت اپنے سرچشمہ سے نہیں رہی - اب اگر پرمیشور کی منشا یہی ہوتی کہ ہم وید کے چشمہ سے ہی گیان کا پانی پئیں تو اُس نے کیوں ہمارے لیے اُس چشمہ تک پہنچنا نہ صرف مشکل ہی بلکہ محال کر دیا ہے +

اس موقعہ پر ایک دل خوش کن تھیوری پیش کی جاتی ہے کہ پرمیشر نے سنسکرت کو اس لیے دنیا سے اُٹھا لیا کہ تا کسی قوم کو بھی گلہ نہ رہے کہ کیوں اس کی زبان میں خدا کا کلام نہیں ہوا - اس لیے آج وید بہ سبب زبان سنسکرت کے مردہ ہو جانے کے ہندو مسلمان اہل ہند یا انکے غیر کے لیے یکساں طور پر ایک اجنبی کتاب ہے لیکن یہ تھیوری بالبداہت غلط ہے - آج بھی تو ہندو صاحبان

خصوصاً بنگالی اور مرہٹوں کو مسلمانوں کی نسبت طبعی طور سے سنسکرت سمجھنے میں کم دقت ہوتی ہے۔ اور زبان وید انھیں ہمارے مقابل کم نامانوس ہے۔ بہر حال جب سنسکرت اِس ملک میں بولی جاتی تھی اس وقت کے لوگ تو ہمارے مقابل میں وید کو آسانی سے سمجھنے کے زیادہ تر قابل تھے۔ کیا اس وجہ سے ہم کو پرمیشر پر گلا کرنے کا حق حاصل نہیں کہ اس نے سنسکرت کو روے زمین سے اٹھا کر سابق باشندگان ملک کے مقابل ہمارے لیے وید کا سمجھنا زیادہ مشکل بنا دیا۔ پورانے ہندوؤں کو کیوں یہ فوقیت ہم پر دی گئی ÷

مذکورہ بالا تھیوری بچوں کو خوش کرنے کے لیے کچھ ایسی گھڑی گئی ہے۔ کہ اُس کے جواب دینے کے لیے ہم کو چنداں کوشش کرنی ضروری نہیں اِس سے کم ازکم یہ تو ظاہر ہوتا ہے۔ کہ وید کا اس وقت سمجھنا سخت کٹھن اور مشکل ہو رہا ہے۔ اب پھر ہم جب قانون قدرت کو ملاحظہ کریں تو اس میں اس تھیوری کی تردید نظر آتی ہے۔ جو چیزیں انسانی زندگی کے لیے خدا تعالےٰ نے مفید اور ضروری بنائی ہیں۔ اُن کا حاصل کرنا بھی انسان کے لیے اس نے آسان کر رکھا ہے۔ دیکھو پانی جو مایہ حیات ہے ایسا ہی ہَوا جو پانی سے بھی زیادہ ضروری ہے انسان اُس کو کیسی آسانی سے حاصل کر سکتا ہے۔ ہَوا چونکہ پانی کے مقابل بہت ہی زیادہ انسانی زندگی کے لیے ضروری تھی اس لیے اس کے حاصل کر لینے کے لئے انسان کو کسی محنت یا قیمت کے لئے مجبور نہیں کیا گیا۔ اس سے کم درجہ پانی ضروری ہے۔ اس کے حصول میں انسان کو بعض حالت میں کچھ محنت اور بعض میں کچھ قیمت خرچ کرنی پڑتی ہے۔ جب جسمانیات میں حیات انسانی کے لیے خدا تعالےٰ کا یہ قانون ہے تو روحانی دنیا میں کیوں یہ تسلیم کر لیا جاوے۔ کہ آتمک (روحانی) زندگی کے لیے جو باتیں ضروری ہیں ان کا حصول مشکل اور کٹھن ہونا چاہیئے۔ پیارے دوستو خدا تعالےٰ نے تو اپنے پانے کی راہ ہر طرف سے کھول دئے ہیں۔ اور اس نے تو اپنا گیان کسی خاص زبان سے مختص نہیں کیا۔ ہم اگر آج سنسکرت سے اس کا گیان حاصل نہیں کر سکتے۔ تو اس نے گیان حاصل کرنے کے لیے اور دروازہ جو کھول رکھے ہیں۔ کیا ہم زبان پرست ہیں جو سنسکرت پر اس قدر مٹے جاتے ہیں زبانیں تو سب پرمیشر کی ہی بنائی ہوئی ہیں جب سنسکرت ہماری زبان نہیں رہی۔ تو ہم کیوں سنسکرت کو اپنے لیے ایک بُت بنالیں۔ کیا رگ وید کے ایک شلوک سمجھنے کے لیے ہماری راہ میں اس قدر

دقتیں نہیں کہ اس سے سوگنا کم تکلیف بھی ہمیں کسی اور الٰہی کتاب کے سمجھنے میں نہیں ہوتی۔ حالانکہ وہ گیان جو ہمیں اور الہامی کتابیں عطا کرتی ہیں وہ کسی طرح بھی ویدک گیان سے کم نہیں۔ علاوہ ازیں اس بات کا کون فیصلہ کریگا۔ کہ جو معنے ہم نے رگ وید کے اشلوک کے کرنے ہیں وہ صحیح بھی ہیں رگ وید کا گیان تو اس مقفل خزانہ کی طرح ہے۔ کہ جس کی کنجی گم ہوگئی ہو اور اس کنجی کا قائم مقام ملنا محالات سے ہے +

آج ہندو مذہب کے عنوان میں سینکڑوں درسینکڑوں ایسی تعلیمیں ایسے مت ایسے فرقہ نظر آتے ہیں جو اپنی تعلیم اپنے اصول اپنی نوعیت کے لحاظ سے ایک دوسرے کے سخت مخالف اور متناقض ہیں۔ اور پھر عجیب بات یہ ہے۔ کہ ہر ایک فرقہ اپنی سند وید کو ہی ٹھہراتا ہے۔ ایک ناستک دہریہ اور ایک خدا پرست انسان ایک مورتی کا پوجاری سناتن دھرمی اور ایک مورتی کا توڑنے والا محمود غزنوی کا بھائی آریہ۔ ایک ویشنوائٹ پاکباز اور ایک شاکت مت والا بمّارگی۔ غرض سب کے سب متضاد الخیال لوگ جو ہندو کہلاتے ہیں اور وید کو خدا کا کلام ماننے میں متحد اور شریک ہیں اپنے ان متناقض اور متضاد عقائد کا ماخذ وید ہی بتلاتے ہیں۔ اور اسی کو اپنے اقوال مختلفہ کے ثبوت میں سنداً پیش کرتے ہیں۔ اب اگر وید خدا کا کلام ہے۔ تو خدا تعالیٰ دو متضاد مخالف باتیں اپنی کتاب میں ایک ہی وقت جمع نہیں کرسکتا دو متناقض تعلیموں کا ماخذ اس کی کتاب نہیں ہوسکتی۔ پھر کیا وجہ ہے کہ ایسا ہو رہا ہے۔ صرف یہی کہ سنسکرت زبان جہاں سے اُٹھ چکی ہے ہزارہا برس کے غیر استعمال نے اس کو اس قدر اجنبی اور ناقابل فہم کر دیا ہے۔ کہ ہر ایک شخص جس طرح چاہتا ہے اپنے مطالب اس سے نکال لیتا ہے +

مزید براں آج کسی امر کا بروے تعلیم وید فیصلہ کرنا سخت مشکلات سے ہے۔ مثلاً میرے ایک نہایت پیارے اور معزز دوست اسی شہر لاہور میں مقیم ہیں۔ آپ سماجک تحریک میں ایک بھاری ذمہ دار عہدہ لیے ہوے ہیں۔ انھوں نے آریہ سماجی تعلیم کو قبول کرنے اور سناتن دھرمی خیال کو چھوڑنے کے دو وجوہ مجھے ایکدفعہ بتلاے تھے۔ وہ خود تو وید کو پڑھ کر اس امر کا فیصلہ نہ کرسکتے تھے۔ انھوں نے فرمایا کہ ایک تو دارا شکوہ کے فارسی ترجمہ کیے ہوئے اُپنشد انھیں ملگئے۔ اور ان میں انھوں نے سوامی دیانند کی تعلیم کے مطابق

مورتی پوجن کی مخالفت پائی۔ دوسرا جب ابتدا میں سناتن دھرمی اور سماجک عقاید کے متعلق دریا گنگا کے کنارے مباحثہ ہوا تو اس وقت ایک سناتن دھرمی پنڈت نے آپ کے سامنے اُن کے حلف دینے پر یہ اقرار کیا تھا کہ دراصل سوامی دیانند اس بحث میں سچا ہے۔ لیکن وہ پنڈت اس قدر اخلاقی جرات نہیں رکھ سکتا کہ وہ اس بات کو پبلک کے سامنے کہے۔ یہ دو باتیں جن پر میرے ایک عزیز دوست کی تحقیق مذہبی منحصر ہے۔ جو ہر طرح لائق فائق تعلیم یافتہ نکتہ سنج معاملہ فہم اور بال کی کھال نکالنے والا ہے۔ اس نے مذہب جیسے نازک امر میں کیوں ایسی ناقص تحقیق کرکے اپنی ساری عمر کا فیصلہ کر لیا۔ صرف یہی کہ اس سے زیادہ وہ کر نہیں سکتا تھا۔ والا ان کی اس تحقیق کا نام تحقیق رکھنا تحقیق کو ایک بے معنی لفظ قرار دینا ہے +

میرے پیارے ہموطنوں غور کرو۔ کہ تم میں سے کس قدر اور کتنے لوگ آج وید کو سمجھنے کے قابل ہیں۔ کیا آج گروکل کانگڑہی کے طالب علم طیار ہوکر وید کے مقفل خزانوں کو کھول لینگے۔ مَیں چاہتا ہوں اور دل سے چاہتا ہوں کہ ایسا ہو۔ تاکہ آپ پر ظاہر ہو جاوے کہ جس گیان کو آپ نے حاصل کرنے کے لیے کوہ کندن کوشش کی۔ وہ گیان اس تکلیف کے بغیر بھی اور سرچشموں اور ماخذوں سے مل سکتا تھا۔ پرمیشر کے اس فعل سے سبق لو کہ جس چیز کو وہ قائم رکھنا چاہے وہ قائم رکھتا ہے۔ اور جس چیز کو وہ قائم نہ رکھنا چاہے وہ خود بخود مفقود ہو جاتی ہے۔ اور وہ حکمت اور قدرت والا خدا صرف اُسی چیز کو مفقود کریگا کہ جس سے اس کی مخلوق کو چنداں فائدہ نہیں۔ اُس خدا نے رگ وید کو قائم رکھ کر اس کی زبان کو صفحہ ہستی سے کیوں مٹا دیا۔ اسی لیئے کہ جو گیان وید لایا تھا اس نے پھر آیندہ کی ضروریات کے مطابق کسی اور شکل و صورت میں نازل ہونا تھا۔ اور یہ امر ظاہر ہے۔ جیسے کہ ہم پہلے ذکر کر آئے ہیں کہ ہر ایک آنیوالا زمانہ پچھلے زمانہ سے ہر ایک امر میں بہت آگے بڑھا ہوا ہوتا ہے۔ پہلے معالجات بلا تبدیل و ترمیم آئندہ کے امراض کے مطابق نہیں بیٹھتے۔ اسی لیے ضروری تھا کہ گیان و معرفت جو حقیقی علاج روحانی امراض کا ہے وہ بھی زمانہ کی ضرورت کے ساتھ پہلے سے زیادہ روشن اور مجلا صورت میں آوے۔ چنانچہ خدا کا گیان گیتا میں۔ عارف بدھ کی کتابوں میں۔ کانفیوشش کے صحائف میں۔ زبور میں توریت میں انجیل میں۔ لقمان کے حکمت آمیز کلمات میں اور آخر کار من کل الوجوہ کامل مکمل صورت میں بذریعہ قرآن کریم نازل ہوا +

ایک وقت وہ تھا جب ایک ملک دوسرے ملک کو نہ جانتا تھا ۔ اور ایک قوم دوسری قوم سے بالکل ناآشنا تھی ، بلکہ ایک ملک کی حدود کے باہر یہ سمجھا جاتا تھا کہ وہاں کوئی اور انسانی مخلوق ہی آباد نہیں ۔ ایسے وقت میں کوئی میل جول یا تمدنی تعلقات ایک ملک کے دوسرے ملک سے نہ تھے ۔ ایسے وقتوں میں اگر خداتعالیٰ کا الہام مختص الوقت یا مختص الزمان رنگ میں نازل ہؤا تو عین حکمت تھی ۔ اگر پراچین زمانہ کے ہندو اور آج تک بھی کل کے کل سناتن دھرمی یہ ایمان رکھتے ہیں ۔ کہ وید کا نور بجز ہندوستان کے کسی اور قوم کے لیے نہیں ۔ اگر انھوں نے اسی اصول کو کھینچ کر یہانتک پہنچایا کہ بجز ایک ہندو کے اور وہ بھی کسی نیچ قوم سے نہیں کسی اَور کو وید کی شکل بھی دیکھنا حرام ہے تو یہ کوئی عجب بات نہ تھی ۔ اگر موسےٰ علیہ السلام فرعون کو تبلیغ توحید باری کرنے پر بھی اپنا بھاری مشن قوم اسرائیل کو فرعون سے آزاد کرنا سمجھتا ہے ۔ ایسا ہی اگر مسیح علیہ السلام صرف یہودی بھیڑوں کی گلہ بانی اپنے لیے ضروری سمجھتے ہیں ۔ اور اَور کسی قوم کو تعلیم الٰہی دینی نہیں چاہتے ۔ تو یہ امور سب سچ ہیں ۔ کیونکہ سب کے سب بزرگ صرف اپنی اپنی قوم کی اصلاح کے لیے آئے تھے ان کا مشن محدود تھا وہ محدود افراد کے لیے ہی آسمان سے گیان لائے تھے ۔ اور اس سے زیادہ ضرورت بھی نہ تھی کیونکہ اس وقت تک انسانی تمدن اور انسانی میل جول بھی محدود تھا ۔ البتہ جب وہ دن قریب آ گئے ۔ کہ جب کل دنیا نے ایک ملک بن کر کل ممالک کو بمنزلہ اس ملک کے شہروں کے کر دینا تھا ۔ اور ممالک میں آمد و رفت کی راہیں کھل جانی تھیں ۔ کل دنیا کے میل جول کے لیے ایسی آسان راہیں پیدا ہو جانی تھیں کہ کل روئے زمین میں ایک انسان اس وقت سے بھی تھوڑے عرصہ میں پھر نکلے ۔ کہ جس میں زمانہ قدیم میں ایک ملک کے ایک حصہ میں پھرنا مشکل تھا ۔ ایسے وقت کے لیے جب کل دنیا نے ایک ہو جانا تھا یہ ضروری تھا کہ خدا کا الہام اور برمھ گیان بھی جامع اور کامل صورت میں اتر کر کل اقوام زمین کے لیے ایک مشترک راہ نکالے ۔ یہی وجہ تھی کہ نبیٔ عرب علیہ الصلوٰۃ والسلام نے علی الاعلان کہا ۔ کہ مَیں کل دُنیا کے لیے نبی ہوں ۔ میرا مشن کل دنیا کا مشن ہے ۔ در اصل آپ کے زمانہ سے پہلے کسی نبی کا یہ دعوےٰ کرنا درست بھی نہ تھا کیونکہ اس کی قوم تو اس وقت اپنے مُلک سے باہر دوسروں سے آشنا بھی نہ تھی تو پھر ایسا دعوےٰ کرنا ایک بے معنی دعوے تھا ۔ چنانچہ انبیاء سابقہ نے ایسا نہیں کیا اور نہ انھوں نے اپنے مشن کا مخاطب اپنی قوم کے سوا کسی اور کو

کیا۔ وید کے متعلق بہ سبب اس کے علم کے منقفل ہو جانے کے ہم کچھ نہیں کہہ سکتے لیکن خارجی باتیں اس امر کی پوری شہادت دیتی ہیں کہ اس کا گیان صرف ہندی اقوام کے لیے تھا۔ ایک تو جس زمانہ میں وید نازل ہوا اس سے صدیوں کیا ہزاروں برس تک ہندی اقوام ہمالہ اور سمندر پار نہ تو کسی کو جانتے تھے اور نہ انھوں نے جاننے کی کوشش کی۔ اور نہ خدا تعالیٰ نے ہی ہزاروں برس تک کوئی سامان پیدا کئے کہ جس سے وید کی روشنی اور ممالک میں جاسکے پھر اس کے پڑھنے والوں کا یہ یقین کر لیتا کہ بجز ہندیوں کے اور ہندیوں میں بھی خاص اقوام ہی وید کو پڑھنے کی مستحق ہیں خواہ اس طریق میں برہمنوں نے بلاوجہ کسی قدر تشدد اور سختی بھی کر دی ہو۔ لیکن اس سے یہ امر تو صاف ظاہر ہو جاتا ہے۔ کہ وید میں کوئی ظاہرا تعلیم ایسی نہ ہوگی کہ جس سے یہ سمجھا جاوے کہ وید اوروں کے لیے بھی تھا۔ اور اگر ایسا ہے تو کیوں ہندی قوم کا عمل ہزاروں برس کے لیے اس کے خلاف رہا۔ صرف گذشتہ چالیس پچاس سال کے اندر شدھی تھیوری کا پیدا ہو جانا کوئی سند نہیں۔ خدا تعالیٰ حکیم ہے اور ایک حکیم ہمیشہ مناسب وقت ہی بات کیا کرتا ہے۔ اگر وید کل دنیا کے لیے تھا تو یہ بھی ضروری تھا۔ کہ اپنے نازل ہونے کے بہت تھوڑے عرصہ کے اندر اُن اقوام تک پہنچ جاتا کہ جن کے لیے وہ اُترا تھا۔ یہ امر ظاہر ہے کہ بقول عقیدہ اہل ہنود لاکھوں نہیں کروڑوں برسوں سے وید زمین پر ہے۔ اور یہ امر بھی ظاہر ہے۔ کہ صرف تین ہزار برس کے ادھر ادھر ہی اور ممالک کا تعلق یا علم ہندوستان کو ہوا۔ اور دوسری طرف مانا گیا ہے کہ دنیا اب تھوڑے دن اور ہے تو کیا یہ انصاف ہے کہ کروڑہا برس سے تو وید ہندوؤں کو روحانی زندگی بخشے۔ اور ان کے مقابل ایک نہایت ہی قلیل زمانہ باقی دُنیا کے حصہ آئے حالانکہ وہ کئی گُنا ہندوستان سے زیادہ ہو۔ دوستو خدا کی رحمت یکساں ہے۔ وہ سب کا ربّ ہے۔ وید اگر سب کے لیے ہوتا تو شروع میں ہی یا اپنے اُترنے سے تھوڑے عرصہ بعد سب تک پہنچتا۔ دیکھو بالمقابل قرآن مجید کتنی جلدی روئے زمین پر پھیل گیا۔ قرآن نے نہ صرف صریح الفاظ میں ہی بیان کیا ہے۔ کہ میں کل روئے زمین کے لیے گیان لایا ہوں بلکہ خود نبی کریم کا اپنی زندگی میں عرب کے سوا یہودی اور عیسائی اقوام کو تبلیغ کرنا عرب کے باہر روم شام ایران حبش میں تبلیغ کے لیے صحابہ کو بھیجنا خود جناب رسالتمآبؐ کے بعد صدی کی نصف حصہ کے اندر ہی اندر اسلامی

مشنریوں کا ہندوستان چین آفریقہ اور یوروپ کے جنوب تک پہنچ جانا نہ کسی جنگجوئی کے خیال سے بلکہ محض قرآنی گیان کو اَوروں تک پہنچانے کے لئے - یہ سب امور اس بات کی شہادت ہیں کہ قرآن جس گیان کو لایا وہ سب کے لیے تھا +

میرے ہموطن عزیزو کیا اس امر سے آپ انکار کرسکتے ہیں - کہ سب سے پہلے دنیا میں اگر کوئی قوم خدا کی کتاب کی تعلیم دنیا میں پھیلانے کیلئے نکلی تو وہ مسلمان ہی تھے - آج ہر ایک شخص کہہ سکتا ہے - کہ اس کی کتاب کل دنیا کی ہدایت کے لیے ہے - لیکن اس کو یہ تسلیم کرنا پڑیگا کہ ساری کی ساری کتابیں نور اور ہدایت تو ضرور قرآن سے بہت پہلے دنیا میں لائیں - لیکن اُن کے سابقہ پڑھنے والوں کی کبھی نگاہ اس کتاب کی ایسی تعلیم پر نہ پڑی - کہ جس سے ان کو یہ خیال ہو کہ یہ نور اور ہدایت اور قوموں کے لیے بھی ہے - اور اس کا اُن تک پہنچانا ہمارا فرض ہے - آج دیکھا دیکھی ہر ایک شخص دوسرے کے لیے مشنری بن رہا ہے - لیکن یہ امر تھوڑے عرصہ سے ہے - سابقہ کتابوں پر سابق ایمان رکھنے والوں کا طریق عمل صاف صاف کہہ رہا ہے - کہ سابقہ الہاموں میں کوئی ایسی تعلیم نہ ہوگی - کہ جس سے اُن کے پرستاروں کو غیر اقوام کا خیال آتا - کیونکہ الہام پر ایمان کے بعد عمل کرنا ہر ایک کا فرض ہوتا ہے - جب اس فرض کی تکمیل ہزار در ہزار برس کسی قوم نے نبی عرب کی آمد سے پہلے نہیں کی تو یہ سمجھنا چاہیئے - کہ یہ فرض ان کے الہام نے ان پر نہیں رکھا - ہاں قرآن ہی پہلی ایسی کتاب دنیا میں نازل ہوئی جس نے اپنا مشن وسیع پیمانہ میں پیش کر کے اپنے پرستاروں کو اپنے نزول سے پچاس سال کے اندر ہی اندر دنیا میں پہنچایا +

میرے دوستو اگر ہم وید کو آج پڑھ نہیں سکتے - اور اگر انجیل و توریت کے صحیح صحیح نسخے ہمارے پاس نہیں - تو کیا ہم خدا کے اس طریق عمل سے بھی فیصلہ نہیں کرسکتے کہ وید تو لکھو کھا سال سے دنیا میں ہو - اور اُسکو ہندوستان کے باہر نہ پہنچایا جائے - اور پھر کئی ہزار برس سے اسکی زبان کو مفقود کرکے اس کے نور اور روشنی کو اہل ہند کی آنکھ سے بھی چھپالیا جاوے - بالمقابل توریت اور انجیل کے ملہم کھلے الفاظ میں اُس نور اور ہدایت کو جو انجیل و توریت میں تھا غیروں تک پہنچانے سے نہ صرف پرہیز ہی کریں بلکہ انکار کریں - اور قرآن آج اترے اور کل کُل دنیا تک پہنچایا جاوے - کیا اس سے یہ فیصلہ نہیں ہوسکتا؟

صرف قرآن ہی تھا کہ جس نے کل دنیا کو مخاطب کرنے کا دعوے کیا تھا اور اور کتب اس معاملہ میں خاموش ہیں - اب اگر آج بعثت نبی کریمؐ کے بعد ہر ایک مذہب والا مشنری بھیجے اور وید کے پرچاروں کو بھی گذشتہ پچاس سال میں اس امر کا خیال آوے تو یہ بات دوسری ہے +

اصل حقیقت یہ ہے کہ نبی عرب کی بعثت پر وہ زمانہ قریب ہو چکا تھا کہ جب کل دنیا ایک ہونے والی تھی - اس وقت ضروری تھا کہ اب پرماتما کا گیان کل دنیا کے لئے آوے - اور جیسے کہ ہم آیندہ چل کر دکھلا دینگے - کہ جناب محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کے وقت ہند - ایران - شام عرب - مصر - یونان فرنگستان پر خطرناک اخلاقی اور روحانی تاریکی چھا رہی تھی - اور جس طرح عرب ان ممالک میں بطور مرکز کے تھا - اسی طرح وہ اپنی پستی اخلاق اور مردگی روح کے باعث بھی ان ممالک سے گوے سبقت لیگیا ہوا تھا - اس لیے پرماتما نے اپنا مظہر بھی عرب میں بھیجا - کیونکہ جہاں سب سے زیادہ اندھیرا تھا وہ ملک سب سے پہلے اس امر کا مستحق تھا کہ خدا کا نور وہاں چمکے - اور پھر اس سے ہر ایک جگہ وہ نور پہنچ جاوے +

میرے دوستو اصولی طور سے یہ وہی گیان اور حکمت ہے جو کسی زمانہ میں وید زمین پر لایا - اور وہی گیان پھر اپنی چمک اور خوبی میں زیادہ تر مجلا ہو کر وقتاً فوقتاً حسب ضرورت ملک و وقت آتا رہا - تو پھر اُسی گیان کو قرآن کے پاک چشمہ سے قبول کر لینا کیوں بُرا سمجھا جاوے - مَیں مسلمان ہوں قرآن کو مکمل اور کامل اور آخری الہام شریعت مانتا ہوں - لیکن میں اپنی معرفت اور گیان کے لیے گیتا اور وید اور ایسے ہی مقدس انسان راجہ رامچندر کے پاک کلمات اور عارف بدھ کی باتوں کو اپنے لیے حسب ضرورت خیر و برکت سمجھتا ہوں - تو آپ کو قرآن کی حکمت آمیز باتیں سننے اور ان کو قبول کرنے میں کیوں تامل ہے - اگر وید کو خدا کا کلام آپ نے صرف اسی لیے آج مان رکھا ہے کہ اس میں آپ کو برمھ گیان اور پرمیشر کی راہ ملتی ہے - تو پس اگر قرآن کریم بالفرض اس سے بہتر اور اجلے (بقول آپ کے) نہ سہی اس جیسا گیان اور معرفت عطا کردے اور خدا تک آپ کو پہنچا دے - تو کیوں آپ وید کی طرح قرآن کو خدا کی کتاب نہ مانیں - اور جناب محمد مصطفےٰ کو (جس پر میرے ماں باپ اور میری جان قربان ہو) خدا کا نبی اور اوتار نہ مانا جاوے -

دوستو! گیان اور معرفت کا کوئی خاص مسئلہ وید سے نکال کر ہمارے

سامنے پیش کرو۔ اور پھر دیکھو کہ قرآن کریم آپ کو اس مسئلہ کے متعلق کہاں تک روشنی بخشتا ہے۔ پھر ایسی صورت میں آپ کو یقین کرنا ہوگا کہ وید ک گیان اور قرآنی گیان کا سرچشمہ ایک ہی ہے جو ہر طرح قابل تسلیم ہے +

میرے ہموطنوں! پچھلی کتابیں صرف کمال انسانی اور اس کے حصول کے امکان کا علم دیتی ہیں۔ یا بعض جگہ کمال انسانی کو بعض حالات کے پیدا ہونے پر منحصر کرتے ہیں۔ لیکن قرآن کریم نے اُن حالات کے پیدا کرنے اور اُن حالات کے حاصل کرنے کا طریق واضح طور پر سکھلایا۔ کہ جس سے انسان ایک نیچر کی حالت سے چلکر کمال حقیقی تک پہنچ جاوے۔ قرآن کریم نے ان تمام منازل کو بالتفصیل بیان کیا۔ اور پھر ہر ایک منزل کو طے کرنے کا طریق سکھلایا۔ گویا جو باتیں اجمالاً پہلی کتابوں میں تھیں۔ وہ بالتفصیل قرآن کریم میں دکھلائی گئیں +

میرے پیارو! آج دنیا کے ایک ہوجانے پر آپ لوگ کیوں اپنی جسمانی ضروریات کے لیے اور ممالک کی چیزیں قبول کر لیا کرتے ہو۔ یہ مانا کہ اس وقت آپ صنعت اور حرفت کے معاملات میں سودیشی ہونا چاہتے ہیں۔ اور یہ ایک حد تک درست بھی ہے۔ لیکن چیزوں کا پیدا ہونا تو نیچر نے خود اپنے ہاتھ میں رکھا ہے۔ اور انسانی دستکاری اور صنعت و حرفت کو اس میں دخل نہیں۔ بعض چیزیں دوسرے ممالک میں پیدا ہوتی ہیں۔ اور جن کی پیدائش ہند میں محالات سے ہے۔ پھر اگر غیر ملک کی پیدائشی چیزیں آپ کے لیے مفید ہوتی ہیں اور اُنکو اختیار کر لینے میں آپ کو کبھی تامل نہیں ہوا۔ تو پھر قرآن کریم کو قبول کرنے میں آپ کو آج کیوں تامل ہونا چاہیئے۔ دیکھو آپ کی صحت جسمانی کے لیے خدا تعالے نے کونین بلاٹودنا۔ گلسیرین پوڈافلین تمباکو اور ایسا ہی اور چیزیں اور ممالک میں پیدا کیں پھر کس شوق سے آپ نے ان غیر ممالک کی چیزوں کو قبول کر لیا۔ صرف اسی لئے کہ آپ کی صحت جسمانی کا حصر ان پر تھا۔ تو کیوں روح کے معاملہ میں آپ اس قدر تنگ دل ہیں۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ قرآن ان اجمال کی تفصیل ہے جو پہلے الہام وقتاً فوقتاً دنیا میں لائے۔ قرآن نے خدا کے ملنے کی راہیں بہت آسان اور سیدھی کردی ہیں۔ میں نے گیتا کا ترجمہ بغور پڑھا اور اس کی بہت سی

* اگر خدا تعالے نے توفیق دی تو میں نے ارادہ کیا ہے کہ گیتا کی تفسیر لکھ کر اسکا مقابلہ قرآن کریم سے کروں منہ

باتیں مجھے حکمت والی نظر آئیں۔لیکن کوئی بھی ایسی بات اس میں میرے لیے نئی نہ تھی۔کہ جس کو قرآنی تعلیم نے مجھ پر تفصیلاً ظاہر نہیں کیا ہوا تھا۔جس کو آئندہ بالوضاحت دکھلایا جاویگا +

میرے عزیزو آخر آپ بھی تو یہ کہا کرتے ہیں۔کہ وید بھی حسب ضرورت بار بار نازل ہوا کرتا ہے۔اگر وید سے مراد کلام الٰہی اور برمھ گیان ہے تو یہ تو بالکل سچ ہے۔ہاں رگ وید بار بار نازل نہیں ہؤا۔لیکن وید ضرور بار بار نازل ہوا ہے آخر کرشن پر جو وید نازل ہوا اُسنے رگ وید کی بجائے گیتا کی ہی شکل اختیار کی۔جب آپ کے اپنے ملک میں وید نے دوبارہ نازل ہونے پر پہلی شکل قائم نہ رکھی تو پھر کسی آئندہ زمانہ میں اگر وہ نئی شکل اختیار کرے۔تو اس کو کیوں محال سمجھا جاوے والّا یہ ماننا پڑیگا۔جیسے کہ آریہ صاحبان کو ماننا پڑا کہ نہ تو گیتا میں حقیقی گیان ہے اور نہ کرشن مہاراج خدا کے ملہم ہیں +

باقی رہا یہ امر کہ اس بات کا فیصلہ کس طرح کیا جاوے کہ وہ کتابیں جو کسی قوم نے الہامی قبول کر لی ہیں انمیں خدا کا گیان بھی ہے۔یا وہ شخص جو مدعی الہام ہے وہ واقعی خدا کی طرف سے گیان لایا۔اس کے فیصلہ کی راہیں تو بہت ساری ہیں لیکن یہاں مَیں اُسی راہ کا ذکر کرونگا۔جس کی طرف کرشن جی مہاراج اشارہ فرماتے ہیں ؎

چو بُنیادِ دیں سُست گردد بسے　　نمائیم خود را بہ شکل کسے

اے ناظرین کسی نبی کے پہچاننے اور اس کی صداقت کو پرکھنے کا بہتر سے بہتر معیار اس کا اپنا زمانہ ہی ہوتا ہے۔ہمیں یہ دیکھنا چاہیئے کہ آیا اس کے پیدا ہونے کے وقت زمانہ کی اپنی ہی حالت کسی مصلح کی ضرورتِ حقہ ثابت کرتی تھی۔یا نہ اور پھر جب وہ پیدا ہوا اور اپنی عمر ختم کرکے چلا گیا تو آیا زمانہ میں کسی قسم کی تبدیلی ہوئی یا نہیں۔اگر وہ وقت سخت روحانی امساک کا ہے تو وہ ضرور روحانی بارش کو چاہتا ہے اور دیکھنا یہ ہوگا کہ آیا اس شخص کے بعد پھر امساک جاتا رہا یا نہ رہا۔اگر وہ زمانہ خطرناک فسق و فجور کا ہے تو ضرور کسی مصلح کی اور ایسے شخص کی ضرورت ہے کہ جس کے پاک نفوس اُس فسق و فجور کو دور کر دیں۔اور دیکھنا یہ ہوگا۔کہ اس شخص کی کوششوں سے اُس فسق و فجور کا خاتمہ ہوگیا یا نہ۔اب اگر اس معیار کے ساتھ ہم جناب محمد مصطفٰے علیہ الف الف صلوٰۃ والسلام کے دعوے نبوت کو پرکھنا چاہیں تو میں دعوے سے کہہ سکتا ہوں کہ جس قدر آنجناب کو نبی کہلانے کا اور قرآن کریم کو گیان اور معرفت کا سرچشمہ قرار دیئے جانے کا حق حاصل ہے وہ حق نہ کسی اور مقدس انسان کو اور نہ کسی اور مقدس کتاب کو پہنچتا ہے۔تاریخ اس بات کی گواہ ہے

کہ آپ کے پیدایش کے وقت نہ صرف عرب بلکہ کل دنیا کی اخلاقی اور روحانی حالت ناگفتہ بہ تھی ؛

جہانتک تاریخ اس وقت شہادت دیتی ہے ساتویں صدی عیسوی زمانہ کی تاریک ترین صدی تھی اُس زمانہ کی ناپاکیاں اور اس وقت کی پلیدیاں اپنا نظیر آپ ہی تھیں کوئی مہذب یا غیر مہذب ملک نہ تھا جس میں کوئی خیر و برکت رہی ہو اور جو اپنی بدمعاشیوں اور شرارتوں میں ایک دوسرے سے گوے سبقت نہ لیگیا ہو۔ اس وقت کے فسق و فجور کا اندازہ صرف اس ایک بات سے ہوسکتا ہے کہ دنیا میں وہ بھاری اخلاقی ملکی اور سوشیل گناہ جو اپنے بدنتائج میں قتل کے بعد دوسرے درجہ پر ہے وہ اس وقت گناہ نہ سمجھا جاتا تھا بلکہ بعض ملکوں اور بعض سوسائٹیوں میں اُس کا ارتکاب بعض مذہبی رسوم کی ادائیگی میں لازمی تھا۔ میری مراد اس سے وہ فعل شنیعہ ہے۔ جس سے عورت اور مرد کے پاک تعلق کو توڑا جاتا ہے اور بجاے اس کے کہ عورت گھر میں ایک مُقدّس دیوی کا رُوپ دھارکر کل خاندان کے ادب اور عزت کو حاصل کرے۔ وہی عورت اپنی حرکات ناگفتہ بہ سے بدتہذیبی کے ادنےٰ مدارج پر آجاتی ہے۔ الغرض ساتویں صدی کے شروع میں عورت کی عصمت کو بٹہ لگانا یا اس سے ناجائز تعلق رکھنا کوئی امر ناجائز نہ تھا ؛

بدیوں اور بدمعاشیوں کو روکنا بہت حد تک مذہب کا کام ہے۔ لیکن انسان کے لیئے اس سے بڑھ کر بدبختی کیا ہوگی۔ کہ خود مذہب کے بعض رسوم اُس وقت زنا سے وابستہ تھیں۔ مذہب ان دنوں اس کج خلقی کا بعض حالات میں ممد تھا۔ ہندوستان کے مندروں میں اُنکی خدمات کے لیے اس زمانہ کا بھاری چڑھاوا لڑکی ہوتی تھی لوگ منتیں مانتے اور منتوں کے پورا ہونے پر اپنی معصوم لڑکیاں دیوتا کی نذر کرتے جو جوان ہوکر اپنی چادر عصمت اس دیوتا کے نہ صرف پجاریوں کے بلکہ زائرین کے بھی حوالہ کردیتی تھیں ۔ اُس وقت یہ امر ایک کار ثواب سمجھا جاتا تھا اور مندر کے دیوتا کی خوشنودی کے حصول کا ذریعہ تھا کہ اس دیوتا کے زائرین کے حیوانی جذبات کو اُس دیوتا کی داسیاں وقتاً فوقتاً ٹھنڈا کیا کریں۔ آج اس زمانہ کے مندر مدراس وغیرہ میں عموماً ہیں اور خال خال یہاں بھی پاے جاتے ہیں۔ جن کے اندر فحش تصاویر اور مرد عورت کو برہنہ جمع کرکے مختلف شکلوں اور مختلف آسنوں میں دکھلایا گیا ہے۔ ایسی تصاویر کا مندروں اور معبدوں میں ہونا ہی اسبات کی شہادت دیتا ہے کہ مذہب کہاں تک ان فاسقانہ حرکات کا موید تھا۔ ہم دور کیوں جائیں خود کرشن جی کی تصاویر کو

کیوں نہ دیکھ لیں جو اُس زمانہ میں اُس وقت کے مذاق کے مطابق کھینچی گئیں ۔ اور جو جو افعال شنیعہ آپ کی طرف منسوب کئے گئے ۔ ان سے اس زمانہ کی حالت کا نقشہ ظاہر ہوتا ہے +

یہ امر ایک مسلم طبعی امر ہے کہ جب انسان کو سچا علم خدا تعالےٰ کا اور پورا گیان پرماتما کا نہیں ہوتا ۔ تو پھر انسان کا خدا اُن باتوں سے متصف ہو جاتا ہے ۔ جن کو انسان اس خاص وقت میں اچھا سے اچھا جانتا ہو ۔ انسانی عقل نے خواہ وہ کیسی ہی ادنےٰ درجہ کی حالت پر ہو ۔ خدا تعالےٰ کو ہمیشہ خیر و برکت اور تمام عمدگیوں اور نیکیوں کا سر چشمہ سمجھا ہے ۔ اس لیے جس امر کو انسان عمدہ اور نیکی سمجھتا ہو ۔ اور جو فعل اس کے نزدیک خیر و برکت کا موجب ہو خواہ وہ بذاتہ اچھا ہو یا بُرا انسان ضرور اسے اپنے خدا کی صفات میں شامل کریگا ۔ کرشن جی مہاراج اس ملک میں پرمیشر مانے گئے تھے ۔ لیکن جو جو افعال ان کی طرف منسوب کیے جاتے ہیں ۔ اور جن جن رنگوں میں ان کی تصویر کھینچی گئی ہے ۔ اُن سے اس زمانہ کی بد اخلاقیوں کا پتہ لگتا ہے ۔ اگر اس زمانہ میں یہاں غیر عورت کی طرف دیکھنا یا اس سے خلا ملا کرنا یا اُن سے بے تکلف ہو جانا یا ان کو برہنہ حالت میں چھوڑ جانا بُرا سمجھا جاتا (حالانکہ یہ ساری باتیں مقدمات زنا میں ہیں) تو کیوں کرشن جی مہاراج کے متعلق یہ قصہ کہانیاں لکھی جاتیں اور یقین کی جاتیں +

ایران جہاں چراغ الہام زرتشت اس وقت ٹمٹما رہا تھا اس کے متعلق صرف اس قدر کہہ دینا کافی ہے ۔ کہ وہاں کا شاہی مذہب جو آتش پرست مذہب کی ایک شاخ تھا ۔ اس مذہب کے رو سے ہر ایک پیشوا مذہب کو اور اس کے تحت میں ہر ایک مذہب سکھلانے والے کو حق حاصل تھا کہ وہ جب چاہے اپنے پیرووں میں سے کسی کی عورت کو بلوا کر اپنی خدمتمیں رکھے اور اس کے ساتھ جو چاہے سلوک کرے ۔ جیسے ہندوستان میں بھی اُس زمانہ کے پیدا شدہ مذاہب میں سے آج بچا ہوا ایک مذہب شاکت ہے ۔ کہ جس کی رو سے بھی گرد کو حق پہنچتا ہے کہ اپنے سیوک کی لڑکی یا عورت یا سیوک کے خاندان میں سے کوئی عورت جو اُسے پسند خاطر ہو اپنی خدمت میں لے اور اپنے جذبات کو ٹھنڈا کرنے کے لیے اُسے بُلوائے +

ہاں زمانہ موجودہ چونکہ ان باتوں کو نفرت سے دیکھتا ہے ۔ اس لیے شاکت مت والے اپنی مذہبی آزادیوں کو کھلے طور سے نہیں نباہ سکتے ۔ یہی حالت مزدک

قوم کی تھی جو نبی عربؐ کی بعثت کے وقت ایران کے قومی مذہب کی سرتاج تھی۔ نوشیروان نے تخت نشین ہوتے ہی مزدکی مذہب کے امام وقت کو صرف اس لیے قتل کیا کہ اس نے نوشیران کے باپ کی زندگی میں کہیں والدہ نوشیروان کو دیکھ لیا تھا۔ اور اس کی خوبصورتی پر وہ اس قدر فریفتہ ہوگیا کہ اس نے سر دربار نوشیروان کی ماں کو اپنے پاس رات کاٹنے کے لیے حکم دیا۔ اُس کا ایسا کرنا کوئی معیوب امر نہ تھا۔ بلکہ یہ تو اس خاندان کے لیے موجب خیر و برکت سمجھا جاتا تھا۔ اور نوشیروان کا باپ راضی بھی تھا۔ لیکن نوشیروان نے جو ابھی بچہ ہی تھا۔ اور اتفاق سے دربار میں موجود تھا اس بات کو مکروہ سمجھا اور مخالفت کی۔ نوشیروان کے باپ نے نہ اس لیے کہ امام مزدک کا حکم بیجا تھا بلکہ بالک ہٹ مد نظر رکھ اپنے مرشد سے عذر خواہی کی اور معافی چاہی +

سکندریہ کے کتب خانہ کی طرح مسلمانوں پر یہ بھی الزام ہے کہ انھوں نے ایران کا زرتشتی کتب خانہ بھی جلا کر کئی دن حمام گرم کئے۔ گو دونوں الزام ایسے ہی غلط ہیں جیسا بعض نے لکھا ہے کہ ہندوستان کے کتب خانے بھی مسلمانوں نے جلا دیئے۔ مگر اس کے متعلق بعض یورپین[1] مصنفین نے یہ لکھا ہے کہ اگر ایسا کیا گیا تو بہت اچھا ہوا۔ کیونکہ اس کتب خانہ میں لکھو کھا کتابیں محض زناکاری پر لکھی ہوئی موجود تھیں +

یورپ کا حال کسی سے مخفی نہیں۔ یورپ پر یہ وہ زمانہ تھا۔ کہ جب رومن کیتھولک مذہب کل یورپ کا مقدس مذہب مانا جاتا تھا۔ اور اس کے برخلاف تحریک ابھی صدیوں بعد ہونی تھی۔ غرض پوپی سلطنت کے ماتحت نوجوان پادریوں کے پاس گناہ بخشواتے ہوئے تازہ گناہ نوجوان عورتوں کا کر لینا ایک معمولی بات تھی۔ کنفشی کمروں میں کنواریاں داخل ہوکر اپنے بکر کو محفوظ واپس نہ لاسکتی تھیں۔ اُس زمانہ کا یہ مقولہ بھی ہے جو پوپی مذہب میں ہر ایک پادری کی زبان پر تھا۔ کہ "گناہ کرو تاکہ خدا تعالیٰ کی رحمت اور نازل ہو"۔ اللہ اللہ اس سے بڑھ کر اور کیا سیہ کاری کا زمانہ ہوسکتا ہے کہ جس میں ارتکاب گناہ موجب نزول رحمت الٰہی سمجھا جاتا ہے۔ مصر کی حالت بھی ازیں قبیل تھی + میں نے اختصار کے طور پر یہاں صرف ایک بھاری بدکاری کا ذکر کردیا ہے

[1] دیکھو دیباچہ عربی فارسی انگریزی ڈکشنری مولفہ رچرڈسن +

جس کا ارتکاب اُس وقت مذہب نے روکنے کی بجائے جائز نہیں بلکہ ایک گونہ ثواب کی صورت میں دکھلایا تھا۔ اس سے قیاس اور صدہا قسم کی بدیوں اور بدخلقیوں کا ہوسکتا ہے جو اس کے ماتحت ہیں۔ اسی کی طرف قرآن کریم نے جناب محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کی ضرورت کا ذکر کرتے ہوئے کہا ہے۔ کہ ظہر الفساد فی البر والبحر۔ یعنی وہ لوگ بھی بگڑ گئے جن کے پاس گیان اُترا تھا۔ اور وہ لوگ بھی بگڑ گئے جن کے پاس ابھی گیان نہیں آیا۔ اگرچہ کل دنیا کی دنیا اخلاقی نگاہ سے تاریک ترین منظر پیش کررہی ہے۔ لیکن بدترین اخلاقی حالت جس خطہ کی تھی۔ وہ خطہ عرب تھا۔ جس بدی کا ہم ذکر کرآئے ہیں۔ اُسکا انتہائی نکتہ پر عرب میں پہنچنا اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کے ہاں باپ کی عورت ورثہ میں آکر بیٹے کی مدخولہ ہوجاتی تھی۔ اور وہ لوگ اپنے زنانیانہ کارناموں کو نہایت فخر کے ساتھ بیان کرتے تھے۔ ان کا لٹریچر ایسی بدکاری سے مملو تھا۔ قسما قسم کے بُت تھے جن کی خوشنودی مزاج کے لیے زنا کرنا یا کرانا ضروریات سے تھا۔ شراب جو اُم الخبائث ہے اس کا رواج اس قدر بڑھا ہُوا تھا کہ دن میں پانچ دفعہ اس کا شغل کیا جانا لازمات سے تھا یہ وہی پانچ وقت ہیں۔ کہ جن کی جگہ سرور کائنات نے پانچ نمازیں جاری کیں اور وہ وقت جو شرابخوری اور اس کے لوازمانہ بدلیوں میں عربوں کے لیے مقرر تھے وہ وقت اب خدا کی عبادت میں گذرنے لگے۔ سرقہ ڈاکہ قمار بازی دُخترکشی حرامکاری تو ایک معمولی بات تھی۔ جس صورت میں کہ خون ناحق کا کرلینا اُن کے نزدیک چیونٹی کے مارنے سے زیادہ نہ تھا +

سوسائٹی کا خوف ہمیشہ انسان کو گناہ سے بہت حد تک بچاتا ہے لیکن یہ قاعدہ اس وقت عرب پر حاوی نہ تھا۔ وہاں تو جرائم اور بدمعاشیاں کرکے اُن کا ذکر کرنا اور اُن کے متعلق شعر خوانی کرنا انسان کے کمالات میں داخل تھا۔ جس قوم میں بدمعاشی ہی وجہ عزت ہو وہاں بدمعاشی کی روک سوسائٹی کیا کرسکتی ہے۔ عداوت اور کینہ میں یہ لوگ اپنی آپ ہی نظیر تھے۔ اگر کسی شخص کو کسی سے کوئی تکلیف پہنچتی تو اس کا انتقام تین تین چار چار پشت تک لیا جانا ضروری سمجھا جاتا تھا۔ ایک شخص مرنے کے وقت جہاں اور امور کی وصیت کرتا تھا۔ اس کے لیے اول وصیت یہ تھی۔ کہ وہ ان لوگوں کا نام بھی اپنی اولاد کو بتلا جاوے کہ جن سے اس نے انتقام اپنا یا اپنے باپ کا یا اپنے دادا کا لینا باقی تھا۔ توہم پرستی

کا یہ عالم تھا کہ صحیفۂ قدرت اور اس کی غیر انسانی مخلوق کی ہر ایک حرکت سکون ان کے لیے اچھی یا بُری فال تھی - عقائد کے متعلق دنیا کے تمام مذاہب کی جستہ جستہ بد اعتقادیاں ان لوگوں میں موجود تھیں - عامہ آداب مجلس سے اکثر عرب ایسے ناواقف تھے - کہ ایک ابتدائی سوسائٹی کے آداب سے بھی بعض حالات میں وہ ناآشنا تھے - الغرض کل زمانہ میں ایک اندھیرا چھا رہا تھا اور اس ظلمت کی تاریک ترین گھٹا کا خاص مقام سرزمین عرب ہو رہی تھی +

دنیا کی اس وقت کی حالت کا اگر کسی اَور نبی کے وقتِ بعثت سے مقابلہ کریں تو ہم کو یہ مجبوراً کہنا پڑتا ہے کہ اگر کسی مصلح کی ضرورت زمانہ کو تھی ؟ اگر دنیا میں خدا کے نور کے نزول کا وقت متقاضی تھا - اگر یہ پرتھوی پاپ سے اور ادھرمی پن سے سخت نالاں ہو کر پرمیشر کے اوتار کی منتظر تھی - اگر دین کی بنیاد کا سُست ہونا تو درکنار دین کے نام ونشان بھی دنیا سے اٹھ چکنے پر کسی کرشن کے نمودار ہونے کا وقت تھا تو وہ یہی ساتویں صدی عیسوی کا ابتدائی زمانہ تھا - چنانچہ اس قانون قدرت کے مطابق خدا کا مرسل اور نبی آیا - اور اپنے ساتھ ایک غیر معمولی روحانی برسات لایا - جس قدر دنیا کی ناپاکیاں اور پلیدیاں غیر معمولی طور پر اس زمانہ میں پیدا ہو چکی تھیں وہ بھی اس امر کی متقاضی تھیں - کہ ایک بھاری سے بھاری اور زبردست سے زبردست روحانی برسات آسمان سے آوے - اور چونکہ وہ وقت بھی قریب تھا کہ جب کل دنیا کے تعلقات آپس میں متحدّ ہونے کو تھے - اور کل دنیا کے ملکوں اور شہروں کی آمد و رفت اور میل جول کی راہیں بہت آسان پیدا ہو جانی تھیں - نیز چونکہ اس وقت کل دُنیا کی حالت ایک ہی وقت بگڑی ہوئی تھی اس لیے وہ نبی جو ایسے وقت پیدا ہو اس کے لیے ضروری تھا کہ وہ کل دنیا کی اصلاح کی مشن پر آوے - چنانچہ عرب کے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انی رسول اللہ علیکم جمیعاً کا دعوے کیا - یعنی میں کل دنیا کے لیے رسول ہوں اور واقعات نے اس کو سچ بھی کر دکھایا - کیونکہ اگر جناب رسالتمآب کو ہم کل دنیا کا نبی تسلیم نہ کریں تو جس صورت میں ادھرمی حالت ہند اور ایران - یونان فرنگستان - مصر - عرب میں یکساں طور پر ایک ہی وقت پیدا ہو چکی تھی - اس کا تقاضا یہ تھا کہ کوئی نہ کوئی نبی مطابق الفاظ کرشن علیہ السلام ان ملکوں میں ضرور پیدا ہو - اگر یہ مان بھی لیا جاوے - کہ عرب کی حالت

نے عرب کے نبی کی ضرورت پیدا کی۔ تو پھر دیکھنا یہ ضروری ہوگا کہ اَور ممالک کی بگڑی ہوئی حالت کی اصلاح کے لیے اَور کونسا نبی اُس وقت یا اُس سے بعد مبعوث ہُوا۔ یہ امر ظاہر ہے کہ ساتویں صدی کے بعد کوئی کامیاب شخص مدعی نبوت نہیں ہُوا۔ اور یہ امر بھی ظاہر ہے کہ اس وقت ان ممالک کی حالت ناگفتہ بہ تھی۔ اور کسی نبی کی آمد کو چاہتی تھی۔ پھر یہ بھی ہم دیکھتے ہیں کہ وہ حالت فسق و فجور کی نبئ عرب کی آمد کے بعد دنیا سے دور بھی ہوگئی پھر وہ کونسا مبارک انسان ہے کہ جس کے مبعوث ہوجانے نے ایک طرف تو کرشن علیہ السلام کے الفاظ کو پورا کیا۔ اور دوسری طرف کل ممالک سے فسق و فجور دُور ہوگیا۔ بجز نبی عرب کے کس کو حق حاصل ہے۔ کہ ان تمام خوبیوں کا مصداق بنے۔ وہ نہ صرف کل دنیا کی طرف نبی ہونے کے مدعی ہی تھے۔ بلکہ انھوں نے اپنی زندگی میں **عرب** کو حیوانیت سے نکال کر انسان اور انسان سے با خدا انسان بنا دیا۔ اور اس کے بعد اَور ممالک کی بھی اصلاح ان کے فیضِ برکت سے ہوگئی ؛

یہ امر تاریخ نے فیصلہ کردیا ہے جیسا کہ میں پہلے ذکر کر آیا ہوں۔ کہ آپ کی تشریف آوری سے پہلے زنا جیسی بدی بدی نہ سمجھی جاتی تھی۔ بلکہ بعض جگہ یہ بدی نیکی کے طور پر کی جاتی تھی۔ اور آپ کے بعد زنا ایک کبیرہ گناہ سمجھا گیا۔ قرآن کریم کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نے وہ تمام تعلیمیں اپنے اندر جمع کرلی ہیں جو تھوڑی تھوڑی کرکے مختلف ملکوں میں اور مختلف زمانوں میں خدا تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوئیں۔ قرآن نے ان تمام تعلیموں میں اعتدال کا رنگ اختیار کیا ہے۔ جو ضرورتِ وقت کے لحاظ سے کہیں نہ کہیں افراط اور تفریط پر پہنچی ہوئی تھیں۔ قرآن کریم سب سے پہلی کتاب ہے۔ جس نے کل دنیا کے انبیاء کو انبیا تسلیم کرکے دنیا سے وہ نزاع اُٹھائی جس کے باعث ایک ملک کے باشندے دوسرے ملک کے باشندوں کو انسان نہ سمجھتے تھے۔ اور ایک دوسرے کی تنفر اور وحشت کا باعث تھے۔ قرآن نے اس یگانگت اور اخوت کی عملاً بنیاد ڈال دی۔ کہ جس کے باعث کل دنیا کے باشندے کالے گورے سُرخ سفید ایک دوسرے کے بھائی سمجھے جاویں اور حقوق میں برابر قرار دیئے جاویں۔ قرآن نے ہی کل دنیا کی قومیں برہمن یا شودر چھوٹے یا بڑے بلا تمیز برابر اور یکساں کرکے دکھلا دیئے۔ قرآن کریم

نے اخلاق فاضلہ کو حاصل کرنے اور خدا تعالیٰ کے ملنے کی آسان سے آسان راہ نکالکر دنیا کو ان تمام مشکل اور صعب ترین طریقوں سے نجات دی۔ کہ جس کی ایک نظیر اس ملک میں یوگ ابھیاس ہے۔ قرآن کریم سے پہلی الہامی کتابیں صرف اخلاقی تہذیب تک ہی پہنچتی تھیں۔ یا اُن کے ماتحت انسانی کمال انسان میں بعض فوق العادۃ باتوں کا پیدا ہو جانا سمجھا جاتا تھا۔ لیکن قرآن کریم نے انسان کو اپنے منعم اور مالک حقیقی سے مکالمہ کرنا اُس کے آگے سرنیاز رکھنا اور اس سے براہِ راست تشفی پانا سکھلایا۔ گذشتہ تعلیمیں امید فردا پر بہشتی زندگی اور موکش کا حصر رکھتی تھیں۔ لیکن قرآن کریم نے اسی زندگی میں بہشتی زندگی دکھلا دینے کا وعدہ کیا۔ میں آیندہ اس کتاب کی کسی آیندہ جلد میں ان امور کو بالتفصیل دکھلاؤں گا۔ یہاں مجھے صرف یہ دکھلانا مقصود ہے۔ کہ اگر زمانہ کی پست حالی اور ادھرمی پن کے وقت میں کرشن اوتار لیا کرتے ہیں تو کرشن کے اوتار لینے کے لیے جب سے دنیا پیدا ہوئی۔ اور جب سے تاریخ نے واقعات زمانہ محفوظ کر لیے ہیں۔ اگر کوئی موزوں ترین زمانہ ہو سکتا ہے۔ تو وہ صرف ساتویں صدی کے آغاز کا زمانہ تھا۔ اس سے پہلے جو خدا کے نبی اور اوتار دنیا میں آتے رہے۔ وہ انھیں ملکوں میں رہے جہاں ملک کی حالت ابتر تھی۔ لیکن یہ پہلا نبی ہے کہ جس کا مشن کل دنیا کے لیے تھا۔ اور اس امر کی تصدیق بھی بزرگ کرشنؑ کے اُن الفاظ سے ہوتی ہے۔ جو اس رسالہ کا موضوع ہے +

جہاں تک ہم کو تاریخ نے علم دیا ہے دنیا کی تاریخ اس بات کی شاہد ہے۔ کہ نبی کریم کے زمانہ کے سوا اور کوئی زمانہ اس زمین پر ایسا نہیں گذرا۔ کہ جب ایک ہی وقت مختلف ممالک کی اخلاقی حالتیں رَدّی ہو گئیں ہوں۔ ہاں یہ ممکن ہے کہ اگر ہند اچھّی حالت میں ہے تو شام بگڑا ہؤا ہے۔ اور اگر شام کی حالت ناپاک ہو گئی ہے۔ تو ہندوستان میں ہر قسم کی خیر و خوبی ہے یہ تو سرور کائنات کی پیدائش کا ہی زمانہ تھا۔ کہ جب ایک ہی وقت ایک ہی قسم کی تباہی دُنیا کے اخلاق پر آئی ہوئی ہو۔ بلکہ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس وقت کی معلومہ دنیا پر ہی بد اخلاقی کا طوفان آرہا تھا۔ ایسے وقت میں اگر کرشن نے ظاہر ہونا تھا۔ تو ضرور ی تھا کہ یا تو ہند میں۔ ایران میں۔ شام میں فرنگستان میں مصر میں الگ الگ اس کا ظہور ہوتا۔ اور سب سے

بڑھ کر عرب میں بڑی شوکت کے ساتھ وہ نازل ہوتا یا ان تمام ممالک میں سے کسی ایک کو کرشن اپنا جائے ورود قرار دیکر اپنا فیض اس جگہ سے باقی ممالک میں پہنچاتا۔ یہ امر ظاہر ہے۔ کہ جس زمانہ کا ہم ذکر کر رہے ہیں۔ اُس وقت اور اس کے بعد آجتک بھی ہند۔ ایران۔ شام۔ فرنگستان مصر میں کوئی اس دعوے کا کامیاب مدعی پیدا نہیں ہوا۔ عرب ایک تو اس وقت کی مشرقی مغربی معلومہ دنیا کا مرکز تھا۔ پھر اپنی بدکاریوں اور جہالتوں کے باعث بھی ان تمام ممالک میں سے صدر ہونے کا حق رکھتا تھا۔ اس لیے ضروری تھا۔ کہ کرشن اگر اوتار لے تو اس وقت عرب میں اوتار لے۔ اور عرب میں آکر پھر رفتہ رفتہ ان تمام ممالک کو بدیوں سے پاک کرے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کرشن نے عرب میں اوتار لیا۔ سب سے پہلے عرب کو ناپاکیوں سے پاک کیا۔ اور پھر اور ممالک بھی رفتہ رفتہ ان گناہوں سے کنارہ کش ہوگئے۔ یہ درست ہے۔ کہ ان ممالک کے سارے باشندوں نے اس نبی عرب کو قبول نہیں کیا۔ لیکن جب ہم دیکھتے ہیں۔ کہ وہ تاریک زمانہ اخلاقی حالت کا جو اُن ممالک میں آپ کی بعثت کے وقت تھا۔ وہ بعد میں نہیں رہا۔ تو ہم بڑے وثوق سے یہ نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ وہ روحانی برسات جو آپ کے ساتھ اس وقت دنیا پر اُتری اُس کے من وجۂ اثر سے ہی ایک حد تک دنیا ناپاکیوں سے پاک ہوگئی۔ چنانچہ اس امر سے کسی کو انکار نہیں ہوسکتا کہ ہندوستان کے باشندوں میں اگر پھر توحید اور خداپرستی کا خیال قائم ہوا یا ازسرنو زندہ ہوا تو محض اسلام کی طفیل ہی تھا۔ اور یہی بات سب نیکیوں کی جڑ ہے + کرشن کے اسطرح اوتار لینے سے ممکن ہے کہ بعض نابلدانِ معرفت کو دھوکا لگ جائے کہ ہم تناسخ کے قائل ہیں۔ اور اس بات پر ایمان رکھتے ہیں۔ کہ شری مہاراج کرشن جی نے ہی جناب محمد مصطفیٰ صلے اللہ علیہ وسلم میں دوبارہ ظہور کیا ہے۔ اور آپ کی روح ہی آواگون کے ماتحت آنے والے نبیوں میں حسب ضرورت وقت حلول کیا کرے گی۔ جیسے آج کل حضرت مرزا غلام احمد صاحب مسیح موعود نے جو اہل ہنود کے لیے کرشن اوتار ہو کر آئے تھے۔ وہ بھی در اصل کرشن کی روح کے مظہر تھے یعنی کرشن نے پھر آپ کے وجود میں بذریعۂ تناسخ جنم لیا۔ سو یاد رہے کہ یہ نہ تو ہمارا ایمان ہے۔ اور نہ خود کرشن علیہ السلام نے اس طرف اشارہ کیا ہے۔ جہاں انھوں نے ارجن کو کہا ہے۔ کہ وہ

ادھرمی زمانہ اور پاپوں کے وقت ہمیشہ آیا کرتے ہیں ۔کیونکہ اگرچہ کرشن مہاراج روح کی ترقیات کے متعلق اس کا مختلف عالموں میں گذرنا بیان کرتے ہیں لیکن ساتھ ہی وہ اس بات کے بھی قائل ہیں ۔کہ بعض حالتوں کے پیدا ہو جانے سے (جس کا ہم آگے چل کر ذکر کریں گے) انسان آیندہ کے جنموں سے ہمیشہ کے لیے نجات پاکر واصل بحق ہو جاتا ہے ۔یہی وہ حالت ہے ۔کہ جس میں انسان اپنے کمال حقیقی کو پہنچ جاتا ہے اس کا نام اس ملک کی اصطلاح میں موکش نروان یا برہم میں لین ہونا رکھا گیا ہے ۔ جب انسان برمھ میں لین ہوجاتا ہے ۔ تو پھر وہ آیندہ تناسخی جنموں سے آزاد ہوجاتا ہے ۔ اب اس امر سے کسی ہندو بھائی کو انکار نہیں ہوسکتا ۔کہ کرشن مہاراج برمھ میں لین ہو چکے تھے ۔ اور کامل حالت انسانی تک پہنچ چکے تھے ۔ بلکہ آپ نے گیتا[ا] میں بیان کیا ہے کہ وہ اس حالت پر پہنچ چکے تھے ۔ اب وہ اگر اس حالت پر حسب بیان خود پہنچ چکے تھے ۔ تو پھر وہ آیندہ کے جنموں سے آزاد تھے ۔ لہٰذا اب ادھرمی زمانہ میں آپ کے دوبارہ آنے سے یہ مراد ہرگز نہیں ہوسکتی کہ آپ دوبارہ پھر جنم لیں گے ۔اور نہ یہ مراد ہوسکتی ہے ۔کہ آپ کی روح بقول حامیانِ مسئلہ آواگون کسی نبی یا رسول میں حلول کریگی ۔کیونکہ آپ تو کامل پرمانند اور حقیقی شانتی تھے ۔ آپ اُتم گتی کو حاصل کر چکے تھے ۔اور اس طرح آپ کی روح پربرمھ میں لین ہوکر آیندہ کے جنم بندھنوں سے آزاد ہو چکی تھی ۔ پھر آپ کی روح کا حلول کرنا کیا معنی اور آپ کا دوبارہ واپس آنا کیا مطلب رکھتا ہے ۔ہم پیش ازیں وضاحت کے ساتھ بیان کر آئے ہیں ۔ کہ ایسے کلمات جو اہل اللہ کی زبان سے بعض وقت نکلتے ہیں ان سے وہ خود مراد نہیں ہوتے بلکہ ان کا بولنے والا خود خدا ہوتا ہے ۔جو بعض حالات میں ان بے نفس اور خواہشوں سے پاک اور

युञ्जन्नेव सदात्मानं योगी नियत मानसः ॥
शान्ति निर्वाण परमां मत्संस्थां मधि गच्छति

[ا] جو یوگی من کو نیموں میں لگا کر سدا ایسے ہی یوگ کرتا ہے ۔ وہ اس شانتی کو پاتا ہے ۔جس کا انجام نروان ہے ۔ اور جو میری ہی حالت ہے (چھٹا ادھیا ۔ ۵ اشلوک)

خدا کی راہ میں قربان شدہ انسانوں کی زبان پر جاری کراتا ہے کرشن علیہ السلام کی منشا در اصل یہ ہے - کہ اس وقت جسطرح میں خدا کا مظہر ہوں - آئندہ بھی زمانوں میں بھی خدا کے مظہر میری طرح آویں گے - اور جو نور مجھ میں اس وقت ظہور پذیر ہو رہا ہے وہی بار بار ضرورت وقت پر دنیا میں ظہور پذیر ہو گا - اور یہ بات سچ بھی ہے جس قادر مطلق خدا نے کرشن کو ایک وقت ظاہر کیا وہ طاقت رکھتا ہے کہ اگر ضرورت پڑے - تو کرشن جیسے لاکھوں انسان دنیا میں اپنے مظہر کر کے پیدا کرے - چنانچہ کرشن مہاراج نے جہاں آئندہ زمانوں میں آنا بیان کیا ہے - اس سے مراد نہ وہ کرشن ہے - جو راجہ کنس کی بہن دیو کی کے گھر پیدا ہوا تھا - بلکہ وہ تو اس منصب کا ذکر کرتے ہیں - کہ جس پر مامور ہو کر آپ بھارت ورش میں تشریف لائے تھے وہ فرماتے ہیں - کہ جس طرح میں ادھرم کو دور کرنے کے لیے آیا ہوں میرے منصب کو لے کر کوئی نہ کوئی پرماتما انسان ایسی ہی ضرورت کے وقت آیا کرے گا +

اس موقع پر یہ ذکر کر دینا بھی مناسب معلوم ہوتا ہے - کہ جس تناسخ کا ذکر جناب سری کرشن جی مہاراج نے اپنے منوہر بچنوں میں کیا ہے - وہ وہ تناسخ نہیں ہے - کہ جس کے رو سے انسان کبھی آواگون کے چکروں سے نجات حاصل نہیں کر سکتا - اور جس کی طفیل ہر ایک بڑے سے بڑا رکھی منی اپنے کامل تپ اور پورے یوگ کے بعد بھی موکش نہیں پا سکتا - اور کسی نہ کسی غفلت یا پاپ کے باعث پھر کیڑے مکوڑے اور ادنےٰ سے ادنےٰ رزیل ترین مخلوق کی شکل اختیار کر لیا کرتا ہے - جنم بندھن اور کرم بندھن کے چکروں میں پرماتما نے پہلے سے ہی اُسے کچھ ایسا مقید کر رکھا ہے - کہ نہ اس سرب شکتیمان پربھو کو ہی اب طاقت ہے کہ اسے موکش تک پہنچائے اور نہ انسان میں ہی کوئی ایسے جوہر ہیں - کہ وہ اپنے نیک کرموں اور اچھے یگوں کے باعث آواگون سے بچ سکے +

الغرض یہ عقیدہ جو سوامی دیانند جی نے بذریعہ آریہ سماج اس زمانہ میں پرچار کیا - اس کے قائل ہندی رشیوں کے سرتاج کرشن جی مہاراج نہ تھے وہ تو آتما کو ترقی کرنے والا جوہر مانتے تھے - اور اپنے بھگتوں کو وہ طریق سکھلا گئے ہیں - کہ جس سے ایک ہی جنم میں انسان واصل بحق ہو سکتا ہے البتہ اس بات پر وہ ایمان رکھتے تھے - اور ایسے ہی ہر ایک بدھی مان عارف

کا یہ ایمان ہونا چاہئے۔ کہ انسان جیسے عالم طفولیت سے جوان ہوا اور جوانی
سے حالت پیری میں پہنچا۔ اسی طرح انسانی من نے بھی مکتی حاصل کرنے
کے لیے مختلف لوکوں (عالموں) میں سفر کرنا ہے۔ اور ان لوکوں میں اس کا
جانا اس لیے ضروری ہے۔ کہ جو نقص انسان میں ایک لوک میں رہ جاتے ہیں
وہ کسی آنیوالے لوک میں رفع ہو جاویں۔ اگر موجودہ لوک (عالم) میں کسی
انسان کے کرم ایسے نہیں یا اُس کا گیان دھیان اس قدر کامل نہیں کہ
موکش پاکر کلیان کی حالت میں پہنچ جائے۔ تو ضرور ہے کہ وہ آیندہ پھر
ایک یا زیادہ لوکوں میں گذر کر ان نقصوں کو رفع کرے۔ لیکن یہ اس کے
لیے ہرگز لازمی نہیں۔ جیسے کہ سماجک تھیوری تعلیم دیتی ہے۔ کہ وہ ان لوکوں
کے چکر میں ہی پڑا رہے۔ اور کسی حالت میں بھی جنم کے بندھنوں سے
نہ چھوٹ سکے۔ بلکہ کرشن جی کی تعلیم کے بموجب تو انسان اسی ایک لوک
میں ہی برمھ لوک میں پہنچ کر مکت (ناجی) ہو جاتا ہے۔ یعنے ایک ہی جنم کے
بعد اگر اس میں خاص حالت پیدا ہو جاوے۔ تو پھر وہ نجات
حاصل کر کے ہمیشہ کے لیے جنم بندھنوں سے آزاد ہو جاتا ہے۔
آپ فرماتے ہیں۔ کہ جس انسان نے اپنی اندریوں پر اس قدر قابو پا لیا
ہے۔ کہ اس کی اندریاں (جذبات) اس کے لیے آیندہ موجب تکلیف نہ ہوں
حتے کہ رنج و راحت اس کے لیے مساوی ہو جاوے [۱]۔ جو کرم یا اعمال
اس لیے نہیں کرتا۔ کہ اس کے نتیجہ اور پھلوں سے وہ فائدہ اُٹھاوے
بلکہ اس کے کامل گیان نے تو اُسے نتائج اعمال سے بے خواہش

स्पर्शान् कृत्वा बहि र्बाह्यां श्चक्षु श्चैवान्तरे भ्रुवो :
प्राणा पानौ समौ कृत्वा नासाभ्यन्तर चारिणौ ॥२७।
यतेन्द्रियमनो बुद्धि र्मुनि र्मोक्ष परायणः :
विगतेच्छा भयक्रोधो, यः सदा मुक्त एव सः ॥२८॥

[۱] باہر کے وشیوں کو باہر کر کے درشٹی کو بھووں کے بیچ میں ٹھہرا کر
پران اپان دونوں کو برابر ناک کے اندر چلا کر جو اندریہ اور من اور بُدھی کو قابو میں
کر لیتا ہے۔ اور موکش کا سہارا رکھتا ہے۔ جس کی خواہش اور ڈر اور غصہ جاتے
رہتے ہیں وہ ہمیشہ مکت ہے +
(پانچواں ادھیاے۔ ۲۷ و ۲۸ شلوک)

اور لاپرواہ کر دیا ہے۔ اور بلا طلب نتیجہ وہ اعمال نیک میں لگا رہتا ہے[۱]
وہ کل خواہشوں کو چھوڑ کر بیخواہش ہو چکا ہے[۲]۔ اور اس طرح
براہمی ستھتی کو اس نے پالیا ہے۔ وہ کسی سے محبت نہیں رکھتا
وہ اپنے من کو نیموں میں لگا کر اپنے چت کو ڑے اطمینان سے آتما
کی طرف پھیر چکا ہے[۳]۔ ایسا منش ٹھک برمھ لوک میں ہے۔ وہ
شانتی اور نروان کو حاصل کر کے برمھ میں لین ہو چکا
ہے۔ اسے اُتم گتی حاصل ہے۔ اور جو برمھ لوک میں پہنچ گیا
اور اس نے اُتم گتی حاصل کر لی وہ جنم کے بندھنوں

नैवतस्य कृते नार्थो, ना कृते नेह कश्चन ॥
नचास्य सर्व भूतेषु, कश्चिदर्थ व्यपाश्रय :।१८।

[۱] اسی پرش کو نہ تو اس دنیا میں کچھ پاپ پن کرنے سے مطلب رہتا ہے۔ اور نہ کچھ نہ کرنے سے۔ اور نہ اس کا سب جانداروں میں کسی سے مطلب رہتا ہے (گیتا تیسرا ادھیائے ۱۸ اشلوک)

तदस्माद सक्त : सततं, कार्य कर्म समाचर ॥
असक्तो ह्याचरन्कर्म, परमाप्नोति पूरुष :।१९

اس سے نتیجہ کی خواہش کو دور کر کے ہمیشہ کرم میں لگو۔ بھوگوں کی اچھیا سے رہت ہو کر جو پرش کرم کرتا ہے۔ وہ موکش کو پراپت ہوتا ہے (گیتا تیسرا ادھیائے ۱۹ اشلوک)

विवाय कामान्य: सर्वान्पुमांश्चरति निस्पृह : ॥
निर्ममो निरहंकार : सशान्ति मधि गच्छति ॥ ७१॥

[۲] جو منش سب خواہشوں کو چھوڑ کر بالکل بے خواہش پھرتا ہے۔ کسی میں محبت نہیں رکھتا۔ اور اس کو اہنکار نہیں ہوتا وہ شانتی پاتا ہے (گیتا ادھیائے دوسرا۔ ۷۱ شلوک)

एषाब्राह्मी स्थिति :पार्थ नैनां प्राप्य विमुह्यति॥
स्थित्वा ऽ स्यामन्त कालेपि ब्रह्मनिर्वाणमृच्छति

اے ارجن! یہ برہمی ستھتی ہے۔ اس کو پاکر کوئی بھولتا نہیں ہے۔ اور جو آخر وقت میں بھی اس میں پراپت ہوتا ہے۔ وہ منش برمھ میں نروان پاتا ہے (لے ہو جاتا ہے) (ادھیائے دوسرا اشلوک ۷۲)

युञ्जन्नेव सदात्मानं योगी नियत मानस : ॥
शान्तिं निर्वाण परमां मत्संस्था मधि गच्छति

[۳] جو یوگی من کو نیموں میں لگا کر سدا ایسے ہی یوگ کرتا ہے۔ وہ اس شانتی کو پاتا ہے جس کا انجام نروان ہے۔ اور جو میری حالت ہے (گیتا چھٹا ادھیائے ۱۵ اشلوک)

سے آزاد ہو گیا[1]

الغرض یہ وہ تعلیم ہے جو کرشن جی مہاراج نے تناسخ کے متعلق دی اسکے روسے یہ ممکن ہے کہ کوئی انسان اول دفعہ ہی برھم لوک حاصل کرکے ہمیشہ کے لیے تناسخی چکروں سے آزاد ہو جاوے۔ اور جس طرح ایک انسان کے لئے ممکن ہے کہ وہ اپنی زندگی ہی میں اُس اعلے حالت کو حاصل کرلے۔ امکانی طور سے ہر ایک فرد بشر کیلیے اُس کمال تک پہنچنا محالات سے نہیں جس کی دوسرے لفظوں میں یہ مراد ہوگی۔ کہ یہ بالکل ممکن ہے۔ کہ ایک وقت تناسخ کا خاتمہ ہی ہو جاوے۔ قرآن کریم نے بھی بعض انسانوں کے متعلق فرمایا ہے۔ کہ وہ اس زندگی کو ختم کرتے ہی فوراً بہشت میں داخل ہو جاتے ہیں بہشت اسی کامل مکمل روحانی حالت کا نام ہے جسے انسان نے اسی دنیا میں حاصل کرنا ہے۔ اور جب روح انسانی کی وہ حالت ہو جاتی ہے۔ جس کا نام قرآن شریف نے نفس مطمئنہ رکھا ہے تو اسے حق پہنچتا ہے۔ کہ وہ سیدھا بہشت میں چلا جاوے۔ جیسا کہ اس آیت سے ظاہر ہوتا ہے۔ یاایتھا النفس المطمئنۃ o ارجعی الی ربک راضیۃ مرضیۃ o فادخلی فی عبادی وادخلی جنتی۔ یعنے اے نفس آرام یافتہ جو خدا سے آرام پاگیا اپنے ربّ کی طرف واپس چلا آ تو اس سے راضی اور وہ تجھ سے راضی۔ پس میرے بندوں میں مل جا اور میرے بہشت کے اندر آجا +

کرشن جی مہاراج فرماتے ہیں۔ کہ اُتم گتی سب سے اعلے حالت انسانی ہے۔ آپ نے یہ بھی فرمایا ہے۔ کہ برھم لوک تک ہی منش نے بار بار جنم لینا ہے

आब्रह्मभुवनाल्लोकाः पुनरावर्त्तिनो ऽर्जुन ॥
मामुपेत्य तु कौन्तेय, पुनर्जन्म न विद्यते ॥ १६ ॥

[1] اے ارجن برھم لوک تک جتنے لوک ہیں۔ ان سب میں بار بار لوٹنا پڑتا ہے۔ مگر مجھ کو پہنچکر پھر جنم نہیں ہوتا ہے (گیتا۔ آٹھواں ادھیاے شلوک ۱۶)

अव्यक्तो ऽक्षर इत्युक्त, स्तमाहुः परमां गतिम् ॥
यं प्राप्य न निवर्तन्ते, तद्धाम परमम्मम ॥ २१ ॥

یہ اویکت اکشر کہلاتا ہے۔ اس کو اُتم گتی کہتے ہیں۔ وہ میری سب سے اونچی حالت ہے۔ جس کو پہنچ کر پھر نہیں لوٹتے ہیں (گیتا آٹھواں ادھیاے شلوک ۲۱) +

لیکن برمھ لوک میں پہنچ کر آیندہ جنموں کا خاتمہ ہوجاتا ہے +

اب سوال یہ ہے - کہ آیا کرشن جی مہاراج جب اس دنیا سے رخصت ہوئے - تو وہ اس کمال انسانی کو جس کا ذکر شری بھگوت گیتا کے آٹھویں ادھیا اشلوک ۲۱و۱۶ میں ہے حاصل کرچکے تھے یا نہیں اس کا جواب انھوں نے خود چھٹے ادھیا کے ۱۵ اشلوک میں دیا ہے جہاں وہ فرماتے ہیں کہ میری یہ حالت[۵۱] ہے - علاوہ ازیں اگر وہ خود بھی اس حالت کے مدّعی نہ ہوئے تو کون ہندو فرد اس عقیدہ کا مدعی ہوسکتا ہے - کہ کرشن مہاراج باوجود نبی - اوتار اور خدا کا مظہر ہونے کے یہ حالت کمال انسانی حاصل نہ کرچکے تھے - اس صورت میں یہ کس قسم کی نادانی ہے - کہ آج ایک مدّعی بروز کرشن سے دریافت کیا جاتا ہے - کہ آیا وہ تناسخ کا قائل ہے یا نہیں - اگر حضرت اقدس جناب مرزا غلام احمد صاحب نے کرشن ہونے کا دعوے کیا تو نہ وہ اس دعوے سے تناسخ کے قائل ہوجاتے ہیں - اور نہ کرشن کی روح نے ان کے قالب میں ظہور کیا ہے - کیونکہ کرشن دوبارہ جنم نہیں لے سکتا +

کرشن جی نے تناسخ کی تشریح میں کہا ہے - کہ جس طرح سے اس جسم میں پران دھاری پر عالم طفولیت عالم جوانی عالم پیری یکے بعد دیگرے آتا ہے[۵۲] - اسی طرح تناسخ بھی ہوتا ہے - یہ امر ظاہر ہے کہ انسان کو ایک خاص حد تک علم و شعور انسانی عالم طفولیت میں ہی حاصل کرنا ہوتا ہے - پھر وہ عالم شباب میں پہنچکر علم و شعور کے دوسرے زینہ پر چڑھتا ہے - حتے کہ عالم پیری میں پہنچکر اپنے علم و معرفت کو کمل کرکے ایک پختہ مغز انسان ہوجاتا ہے - لیکن یہ ضروری نہیں کہ جو خاص علم و

---

۵۱ کرشن علیہ السلام کا جواب چھٹے ادھیا ۱۵ اشلوک کتاب ہذا کے صفحہ ۳۱ پر ملاخطہ کرو +

۵۲ देहिनोऽस्मिन् यथा देहे कौमारं यौवनं जरा ।
तथा देहान्तरप्राप्तिर्धीरस्तत्र न मुह्यति ॥ १३ ॥

جس طرح سے اس جسم میں پران دھاری کو طفولیت - جوانی و پیری کی حالت ہوتی ہے - اس طرح سے آواگون بھی ہوتا ہے - پس جو صاحب عقل و استقلال ہیں وہ اس جسم کے چھوڑنے سے اختتام نہ جان کر جہالت میں مبتلا نہیں ہوتے (دوسرا ادھیا اشلوک ۱۳)

شعور سن طفولیت میں ایک انسان کو حاصل ہونا چاہئے۔ وہ ہر ایک انسان حاصل کرے۔ بعض انسان اچھی تربیت و تعلیم کے نہ ملنے کے باعث سن شباب تک آجاتے ہیں۔ لیکن اپنے علم و شعور میں وہ ابھی عالم طفولیت میں ہی ہوتے ہیں۔ اسیطرح بعض افراد انسانی عمر کے لحاظ سے تو پیر مرد ہوجاتے ہیں۔ لیکن بزرگی بعقل است نہ بسال کے مصداق ٹھہر کر اپنے علمی اور عقلی قوے کے نشو و نما کے لحاظ سے ابھی عالم طفولیت یا عالم شباب میں ہی سمجھے جاتے ہیں۔ یہی حالت روحانی ترقیات کی بھی ہے۔ جس طرح اُس انسان کے لیے جو عالم شباب میں پہنچ کر بلحاظ اپنے علم و شعور کے ابھی بچہ ہی ہے ضروری نہیں کہ وہ اس علم و شعور کے حاصل کرنے کے لیے عالم طفولیت میں پھر لوٹایا جاوے۔ اور عالم شباب میں داخل ہونا ہی نہ پاوے۔ بلکہ وہ عالم شباب میں داخل ہوکر اپنے اس نقص کو پورا کرلیتا ہے۔ اور جب وہ عمر کے لحاظ سے عالم پیری میں پہنچ جاتا ہے۔ تو اُس عالم میں جاکر علم و شعور کا وہ حصہ حاصل کرسکتا ہے۔ جو اسے عالم پیری سے پہلے پہلے عالم شباب میں حاصل کرنا تھا۔ اور یہ ضروری نہیں کہ وہ عالم پیری میں داخل ہی نہ ہو۔ اور عالم شباب میں پھر لوٹایا جاوے۔ اس لیے یہ کیا ضروری ہے کہ وہ انسان مرنے کے بعد پھر اسی عالم میں لوٹایا جاوے۔ جس نے کہ اس زندگی میں روحانی کمال حاصل نہیں کیا۔ اگر وہ اس دنیا سے ناقص گیا ہے تو جس طرح طفولیت کے نقص شباب میں اور شباب کے نقص پیری میں رفع ہوجاتے ہیں۔ اسی طرح وہ نقص جو موت کے وقت اُس میں تھے۔ وہ کسی آنے والے عالم میں رفع ہوجاویں گے۔ کیا وہ بچپن کی باتیں جو انسان کو عالم طفولیت کے خاتمہ پر چھوڑ دینی چاہئیں آخرکار عالم شباب کی ایک حد تک خود بخود ہم سے جدا نہیں ہوجاتیں۔ اور اسی طرح شباب کی باتیں پیری میں نہیں چھوٹ جاتیں؟ ہاں ایسے انسان بھی ہیں جو اپنے شباب میں طفولیت کا رنگ اور پھر پیری میں شباب کا عالم دکھلاتے ہیں۔ کیا ان نقصوں کے رفع کرنے کے لیے ایک جوان پھر بچہ بنایا جاتا ہے۔ یا ایک بڈھے کو پھر جوانی کے قوے ملتے ہیں۔ یا یہ ہوتا ہے۔ کہ ایک عالم کے نقص آئندہ عالم میں رفع کیے جاتے ہیں۔ اگر ایک بچہ جسے سولہ سترہ سال کا ہوکر علے العموم

سن رشد کو پہنچنا چاہیئے تھا۔ وہ اگر بسبب عدم تعلیم و تربیت اپنے اندر وہ عقل و شعور نہیں رکھتا جو ایک نو دس سال کے بچہ کو حاصل ہے۔ تو یہ کبھی نہیں دیکھا گیا کہ اس کو ۱۶ استرہ سال کے گذارنے پر کسی عمل کے ذریعہ نو دس سال کا بچہ کیا جاوے۔ تاکہ وہ تمام اسباب جمع ہو جاویں کہ جن کے ماتحت اس نے ودیعت کردہ شعور و عقل دس سال کے اندر اندر حاصل کرنے تھے۔ اگر ایک پچاس سالہ بڈھے کو جس میں الٰہی معرفت پچیس سالہ جتنی بھی پیدا نہیں ہوئی۔ اس ضروری معرفت کے لیے از سر نو پچیس سالہ عمر میں لوٹایا جاتا تو پھر ہم کو اس امر کے ماننے میں بھی کوئی تامل نہ ہوتا۔ کہ جو انسان مرنے کے وقت ناقص رہگیا ہے وہ ضرور اس عالم میں پھر جنم لے کر اپنے نقصوں کو رفع کریگا۔ کرشن مہاراج نے تناسخی جنموں کو عالم طفولیت عالم شباب عالم پیری سے مثال دے کر تشریح کردی ہے۔ کہ وہ اس آواگون کے ہرگز قائل نہیں کہ جس میں انسان پھر اسی عالم میں لوٹتا ہے۔ وہ تو انسانی ترقی کے اور ایک قسم کے صعودی تناسخ کے قائل ہیں۔ کہ جس کے رو سے ہر ایک انسان نے آخر کار برہم لوک کو حاصل کرنا ہے۔ بعض اسی عالم میں اُس عالم کو پالیتے ہیں۔ اور جو نہیں پاتے وہ آنے والے اعلیٰ لوکوں میں اسے حاصل کرکے آخر کار کمال حقیقی کو پہنچ جاتے ہیں۔ یہ نہیں کہ وہ اسی میں لوٹائے جاویں +

اس موقعہ پر آواگون کے پرستار لوٹنے کی ضرورت اس طرح بیان کرتے ہیں۔ کہ جن اسباب کے ماتحت کسی امر کا سر انجام پانا مقرر ہوتا ہے۔ اگر وہ امر پورا نہو اور یہ منظور ہو کہ وہ امر ظہور پذیر ہو تو ضرور ہے کہ اسکے لیے وہی اسباب پھر مہیّا کیے جاویں۔ کیونکہ علت و معلول اور اسباب اور نتائج کا مسئلہ ایک مسئلہ حقّہ ہے۔ مطلب اس کا یہ ہے کہ جب انسان کو کمال حقیقی تک پہنچنے کے لیے یہاں بعض اسباب دیئے گئے ہیں۔ اب اگر مرنے کے وقت وہ کمال حقیقی کو نہیں پہنچا۔ تو چونکہ آئیوالے عالم میں وہ اسباب نہیں ضرور ہے کہ ایسا انسان اس عالم میں لوٹایا جاوے۔ اور انھیں اسباب کے ماتحت اپنے نقصوں کو رفع کرے۔ یہ بالکل درست ہے۔ کہ جو اسباب ایک عالم میں خاص نتائج کے حصول کے لیے ہونگے وہ بالضرور دوسرے عالم میں مہیّا نہیں ہوسکتے۔ لیکن دیکھنا تو یہ ہے کہ آئندہ عالم میں کوئی نئے اسباب اُن کمیوں کو پورا کرنے کے لیے موجود ہیں یا نہیں اس میں تو شک نہیں کہ ایک بات جو اس عالم میں حاصل ہونی چاہیئے اُس کے

مناسب اور طبعی اسباب اسی عالم میں ہونگے لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ جب ایک نتیجہ کے حصول کے لیے اُسکے مقررہ عادیہ اسباب سے کام نہ لیا جائے تو دیگر اسباب سے بھی وہ نتیجہ حاصل ہوجاتا ہے۔ ہاں ایک حد تک تکلیف ضرور اٹھانی پڑتی ہے۔ یہی حالت ہم انسانی شعور کے نشو ونما میں دیکھتے ہیں۔ جو باتیں بچپن میں آسانی سے سیکھی جاتی ہیں۔ اگر کوئی شخص اُنھیں عالم طفولیت میں حاصل نہ کرے تو عالم شباب میں اُنھیں حاصل تو ضرور کریگا۔ البتہ محنت تکلیف اور خرچ ضرور بڑھ جاویگا +

اسی طرح ہمیں یہ بھی دیکھنا ہوگا۔ کہ عالم جسمانیات میں نظارہ قدرت ہم کو کیا دکھلاتا ہے۔ یہ جوہر ایک انسان عالم خاک سے لے کر موجودہ عالم تک ہزار در ہزار عالم طے کرتا ہے۔ آیا اس سفر میں یہ طریق ہے کہ جبتک ایک عالم میں انسان اپنی کامل صورت پیدا نہ کرلے دوسرے عالم میں اسے جگہ نہیں ملتی یا ایسا ہوتا ہے۔ کہ جن حالتوں میں اس نے ایک عالم میں کامل طور پر پختگی حاصل نہیں کی۔ اور خام حالت میں بھی اس نے اس عالم کو چھوڑا ہے۔ تو اس کی خامی اور نقص دوسرے عالم میں درست ہو جاتے ہیں +

اب اگر ذرا بھی ان مختلف عالموں پر غور کیا جائے تو ان سب عالموں میں ایک لاتبدیل قانون نظر آویگا کہ جس کے رو سے ایک عالم کے نقص اس سے اگلے عالم میں ایک گونہ تکلیف کے ساتھ رفع کیے جاتے ہیں۔ اور یہ کبھی نہیں ہوا کہ جس شے نے ناقص حالت میں ایک عالم کو چھوڑا ہے وہ ضرور اپنے نقصوں کے علاج کے لیے پھر اسی چھوڑے ہوئے عالم میں لوٹائی جائے۔ مثلاً جو کچھ آج میں نے کھایا وہ ضرور ہے کہ یا تو نیچر کے ہاتھوں سے پختہ ہو چکا ہو۔ یا انسانی ہاتھ نے اُسے آگ پانی مصالح وغیرہ کے ذریعہ ایک خاص حالت پختگی تک پہنچایا ہوا ہوتا کہ معدہ کے عالم میں وہ عمدہ طور پر کام کرکے اگلے عالم میں چلا جائے۔ لیکن یہ بھی ہم دیکھتے ہیں۔ کہ انسان کی بد احتیاطی سے بعض چیزیں ایسی حالت میں ہی معدہ میں چلی جاتی ہیں۔ جس حالت میں کہ وہ وہاں نہیں جانی چاہئیں تھیں اب اگر اس نے جزو بدن بننا ہوتا ہے۔ تو اس کی خام حالت کے محسوس ہو جانے پر عالم معدہ میں ادویات بھیج کر ایسے اسباب معدہ میں ہی پیدا کر دیئے جاتے ہیں۔ کہ جہاں اس کا نقص عالم معدہ میں ہی رفع

ہو جاوے۔ یہ ضروری نہیں کہ وہ چیز معدہ سے واپس کی جاوے۔ اسی طرح جب معدہ کے بعد بہت سے عالم طے کرکے ایک خوراک خون میں بدل جاتی ہے۔ تو ضرور نہیں کہ ہر انسان میں ہمیشہ خون صالح ہی پیدا ہوتا ہے جو خوراک عمدہ پختہ حالت میں معدہ میں گئی۔ اور معدہ میں اچھی طرح ہضم ہوئی تو اس سے تو خون صالح پیدا ہوگا۔ لیکن بعض انسانوں میں خون صالح پیدا نہیں ہوتا۔ اس کا باعث یہی ہے۔ کہ ہماری خوراک نے عالم خون سے سابقہ جتنے عالم طے کیے ہیں۔ وہ ناقص حالت میں طے کیے ہیں لیکن اُس ناقص حالت کی اصلاح عالم خون میں ہی طبیب کر دیا کرتے ہیں۔ یہ نہیں کہ ناقص خون کو سابقہ عالموں میں واپس کیا جاوے۔ اسی طرح جس انسان کے نطفہ میں نقص ہوتا ہے۔ اس کا یہی باعث ہے۔ کہ جو خوراک نطفہ کی صورت میں آتی ہے۔ اس نے پہلے عالموں کو ناقص حالت میں طے کیا ہوتا ہے لیکن اس کی اصلاح عالم نطفہ میں بھی ہوسکتی ہے۔ اسی طرح ایک عمدہ اور مضبوط جنین کے لیے ضروری ہے۔ کہ عورت اور خاوند دونوں کا عمدہ اور مضبوط نطفہ ہو۔ لیکن رقیق نطفے بھی رحم میں جاکر قرار پکڑ لیتے ہیں۔ اور ان کا علاج رحم کی حالت میں کر لیا جاتا ہے۔ اسی طرح بعض جنینوں کی پرورش رحم میں پورے طور پر نہیں ہوتی۔ اور وہ ناقص خلقت ہی لے کر اس دنیا میں آجاتے ہیں۔ مثلاً ہم نے دیکھا ہے۔ کہ بعض بچوں کے بول و براز کے سوراخ پیدایش کے وقت بند ہوتے ہیں کیونکہ عالم رحم میں نیچر پورا کام نہیں کر سکی۔ پھر ایسے بچوں کے سوراخ سرجن چاقو سے کھول دیا کرتے ہیں۔ اور وہ بچے اپنی خلقت میں کامل ہو جاتے ہیں۔ یا پھر یہ بھی مانا جا سکتا ہے۔ کہ بعض ایسے بھی ناقص الخلقت پیدا ہوتے ہیں۔ کہ ساری عمر ان کا نقص رفع نہیں ہوسکتا۔ لیکن یہ نہیں ہوا کہ وہ ناقص الخلقت بچے اس عالم میں اخل ہی نہ ہوں یا رفع نقص کے لیے سابقہ عالم میں لوٹائے جاویں۔ سماجک تھیوری تو اس صورت میں درست ہوگی۔ کہ جب نظارہ قدرت ہم کو یہ دکھلاتا کہ ان مذکورہ بالا عالموں سے کبھی کسی چیز کو عالم ما بعد میں نہیں بھیجا گیا۔ جب تک موجودہ عالم میں وہ کامل نہیں ہوگئی یا اگر وہ ناقص حالت میں چلی بھی گئی۔ تو فوراً واپس کی گئی۔ مثلاً یا تو دنیا میں کوئی بچہ ناقص خلقت لے کر پیدا ہی نہ ہو۔ اور اگر ناقص

اتفاقاً پیدا ہوجاوے۔ تو اُسے فوراً اُسی جگہ واپس کیا جاوے۔ جہاں سے وہ آیا تھا۔ تاکہ وہ نقص جو وہ لے کر آیا ہے۔ وہاں ہی جاکر رفع کرے۔ لیکن ایسا نہیں ہوتا۔ کامل ناقص ہر دو قسم کی چیزیں ایک عالم سے دوسرے عالم میں آجاتی ہیں۔ اور ایک عالم کے نقص دوسرے عالم میں رفع ہوجاتے ہیں۔ یہ بالکل سچ ہے جیسے کہ اوپر آچکا ہے۔ کہ انسان کی ہر حالت کے نشو و نما کے طبعی اسباب ہر عالم میں الگ الگ ہیں۔ اور کامل مکمل نشو و نما کے لیے ضروری ہے کہ ہر ایک عالم سے وہ رخصت اُس وقت ہو جب مکمل ہوجاوے۔ لیکن نظارۂ قدرت نے دکھلا دیا ہے کہ آئندہ عالم بھی عالم سابق کے نقصوں کو بیشک رفع کرسکتا ہے۔ ہاں ایسا ہونا بہت ہی تکلیف و درد کا موجب ہوتا ہے۔ جب صحیفۂ قدرت ہمارے سامنے یہ نقشہ پیش کرتا ہے۔ اور گذشتہ عالموں میں انسان کا گذرنا اس طرح واقع ہؤا ہے۔ تو پھر اس موجودہ عالم سے مابعد عالم کے متعلق یہ کیوں تسلیم کیا جاوے۔ کہ جو انسان مرنے کے وقت کامل نہیں ہُؤا وہ پھر اسی عالم میں جنم لے کر اپنے نقصوں کو رفع کرے۔ یہ کیوں نہ ہم تسلیم کرلیں کہ جس طرح ناقص خوراک کی اصلاح معدہ میں الائچی وغیرہ کردیا کرتی ہے۔ اور عمدہ غذا ہضم نہ ہونے سے جو ناقص خون پیدا ہوتا ہے۔ اس کے لیے مُصفیات و مولدات خون استعمال ہوجاتی ہیں۔ اور اگر خون کی اصلاح نہیں ہوئی۔ تو ناقص خون نے جو کمزور نطفہ پیدا کیا ہے۔ اس کے واسطے مُغلظات اسباب نیچر نے پیدا کر رکھے ہیں۔ پھر رحم کی اصلاح کے لیے مانع اسقاط ادویات وغیرہ موجود ہیں۔ اور آخرکار جو بچّہ خلقی نقص اپنے ہمراہ لاتا ہے۔ ان نقصوں کو کڑوی ادویات اور تلخ دارو تسما قسم کے بدذائقہ جُلاب اور طرح طرح کی سرجنی چیر پھاڑ درست کردیا کرتے ہیں۔ اسی طرح اگر ہماری روح نے اپنے کمال حقیقی کو حاصل نہیں کیا۔ تو یہ بالکل مذکورہ بالا مشاہدۂ قدرت کے خلاف ہے۔ کہ وہ روح پھر اسی جسم میں جنم لے۔ ہاں وہ ناقص روح ایک مریض اور کمزور روح ہے جو عالم بالا میں چلی گئی ہے۔ لیکن وہ عالم بالا کی تندرست زندگی کے لیے کامل سامان اپنے ہمراہ نہیں لی گئی۔ اس لیے ضروری ہے کہ اُس عالم میں داخل ہوتے ہی اُس عالم کے شفاخانہ میں اسے داخل کیا جاوے۔ اور جس قسم کی روحانی مرض اُس کو لگی ہوئی ہو۔ اس کے مناسب حال اُس شفاخانہ کے وارڈوں میں وہ داخل ہو۔ جہاں وہ طرح طرح کے جلابوں اور پسینہ آور دواؤں کے استعمال سے اور طرح طرح

کے نشتروں اور چاقوؤں کے نیچے آکر قسما قسم کے درد اور دُکھ دیکھنے کے بعد پھر اصلاح پذیر ہوکر تندرستی حاصل کرے۔ اور اس طرح عالم بالا کی زندگی کے قابل ہوکر ترقیات کرتا ہُوا اپنے کمال تک پہنچ جاوے +

پیارے دوستو! قرآنی دوزخ یہی شفاخانہ ہے (جس پر آپ میں بعض لوگ ہنسا کرتے ہیں۔ اور) جس میں بیمار روح نے جاکر اپنی اصلاح کرنی ہے۔ جس طرح ہماری غلط کاریاں ہم میں جسمانی امراض پیدا کرکے ہماری یہ زندگی ایک طرح کا دوزخ کر دیتی ہیں۔ ہُوبہُو اسیطرح انسان اپنے دوزخ کے اسباب اسی زندگی سے لے جاتا ہے۔ وہ دوزخ اسی دنیا میں خود طیار کرتا ہے۔ خدا تعالیٰ کی آگ اس پر پڑکر اور اُس کو طرح طرح کی تکالیف میں ڈال کر اس کو پاک صاف کر دیتی ہے۔ اس عذاب کی آگ کو خود انسانی روح اپنی صفائی کے لیے کھینچتی ہے +

اگر ہم ان تمام گناہوں کی جماعت بندی کریں۔ جو انسانوں سے ظاہر ہوئے یا سرزد ہو رہے ہیں تو ہم کو صاف صاف نظر آویگا۔ کہ کل کے کل گناہوں کا ظہور یا اُن کے مقدمات کا پیدا ہونا ہر ایک انسان کے سات جوارح کے ذریعہ ہوا ہے۔ یعنی سر۔ کان۔ آنکھ۔ ناک۔ مُنہ۔ ہاتھ۔ اور پاؤں اسی طرح اللہ تعالےٰ نے انسان کو سات سوراخ عطا کیے ہیں۔ اور قرآن نے تہذیب انسانی کے حاصل کرنے کے لیے ہمیں سات سوراخوں کی حفاظت کے لیے سخت تاکید کی ہے۔ کوئی گناہ ایسا نہ ہوگا جس کی جڑ اور جس کا ظہور ان سات سوراخون میں سے کسی ایک یا زیادہ سوراخوں کے ناجائز استعمال سے نہ ہو +

الغرض انسان نے گناہ کرکے اس طرح سات ہی قسم کے مرضوں میں سے ایک یا زیادہ مرض اپنی روح کو لگا دی ہیں۔ اب اگر ایک انسانی روح جو ان سات مرضوں میں سے ایک یا ساری مرضوں کو لے کر دوسرے عالم میں داخل ہوئی ہے۔ اور اپنی مرضوں کے باعث عالم بالا کی صحت والی زندگی کے قابل نہیں تو اس صحت کے حصول کے لیے بھی ضرور ہے۔ کہ وہ کسی کے ایسے علاج خانہ میں داخل ہو جس کے سات ہی وارڈ ہوں۔ چنانچہ قرآن کریم نے جس علاج خانہ کا نام دوزخ رکھا ہے۔ اس کے بھی سات ہی وارڈ یا طبقات بیان کیے گئے ہیں۔ جہاں گناہگاروں کی روح کو اُن کے گناہوں سے

پاک کیا جاویگا۔ جہاں اُن کو تھور (زقوم) جیسی قے آوژ اور دست آوژ چیز جلا بگا دی جاویگی۔ جہاں اُن کے روحانی استفراغ کے لیے کھولتا ہوا پانی پلایا جاوے گا۔ جہاں اُن کو آتشیں ٹکوریں کی جاویگی جہاں شدّاد غلّاظ فرشتے آتشیں گرزوں سے ان کی کجیوں کو درست کرینگے۔ جہاں اُن کے گندے زخم دور کئے جاوینگے۔ اور انگور کی حالت تک اُن کے جسم کی کئی جلدیں بدلینگی وغیرہ وغیرہ۔ اور یہ سب ایک خطرناک رنگ کا عذاب ہوگا۔ ایک شخص جو اس دنیا میں زانی زندگی بسر کرتا ہے۔ آخرکار وہ آتشک جیسی مرض میں مُبتلا ہوتا ہے۔ اب جو علاج اس کا تجویز کیا جاتا ہے۔ وہ بھی اپنی تلخی اور تکالیف کے لحاظ سے دوزخ سے کم نہیں ہوتا۔ یہی حالت دوزخ کی ہے۔ ایک دوزخ تو وہ ہے جو ہم اسی دنیا سے خود طیار کر کے لے گئے۔ اور دوسرا اس کا تکلیف دہ علاج ہے جو ہماری طہارت اور پاکیزگی کے لیے ضروری ہے ایک گناہگار کا دوزخی بن جانا اس کی اپنی گناہ آلودہ زندگی کا تقاضا ہے۔ اور دوزخ تو اس کے لیے شفیق مادر کی طرح ہے جو اپنے بچہ کے نازک بدن کو زخموں اور پھوڑہ پھنسیوں سے پاک کرنے کے لیے سرجن کے دردناک چاقو کے نیچے رکھ دیتی ہے۔ چنانچہ ایک اَور موقعہ پر قرآن دوزخ کو ماں کر کے پکارتا ہے۔ جیسے کہ لکھا ہے وَاُمُّهٗ هَاوِيَه۔ یعنی دوزخ گنہگاروں کی ماں ہے ✣

انسان نے جس عالم کو دیکھا نہ ہو اس کا بیان کرنا یا اس کو سمجھ لینا یا نہ دیکھی ہوئی چیزوں کو ذہن میں لے آنا محالات سے ہوتا ہے۔ اس لیے ایسی حالت میں تشبیہات اور تمثیلات اور استعارات سے ہی کام لینا پڑتا ہے۔ دوزخ یا بہشت کا عالم ایک آنے والا عالم ہے۔ اسکی کیفیات ہمارے ذہن میں آنی مشکلات سے ہیں ان کی تشریح بھی اگر ہوسکتی ہے تو استعارات سے ہی ہوسکتی ہے۔ اسلیے قرآن نے دوزخ کا اس طور پر ذکر کیا۔ **اسلامی دوزخ** کا علاج خانہ ہونا اس لیے بھی ثابت ہے۔ کہ ایک دن دوزخ پر وہ آوے گا جب اس میں کوئی انسان نہ ہوگا۔ یہ وہ دوزخ نہیں جس میں بقول عیسائیان ہمیشہ کا رونا اور دانت پیسنا ہوگا۔ اگر یہ علاج خانہ ہے۔ تو ضرور ہے۔ کہ اس پر ایک دن ایسا آوے کہ

مریض صحت پاکر اُس سے نکلیں اس لیے حدیث شریف میں آیا ہے۔ کہ ایک دن دوزخ پر وہ آویگا۔ کہ جب اُس کی آگ سرد ہو جاوے گی۔ اور اس کے دروازے باد نسیم سے کھٹ کھٹاے جاویں گے۔ یعنی اُس میں کوئی نہ ہوگا +

قرآن نے عیسائیوں کی طرح دوزخ کو **جیلخانہ** تجویز نہیں کیا۔ قرآن نے اس دنیا میں راستے کھول دیئے ہیں۔ کہ جن پر چل کر انسان ایک کامل مکمل روح لے کر عالم بالا کو جاتا ہے۔ انسانی نفس کی ایسی حالت کا نام قرآن نے **نفس مطمئنہ** سے تعبیر کیا ہے۔ جن اشخاص میں نفس مطمئنہ کی حالت پیدا ہوگئی ہے اُن پر دوزخ میں جانا حرام ہے۔ چنانچہ وہ اس عالم کو چھوڑتے ہی بہشت میں جاوینگے۔ قرآن شریف میں آیا ہے۔ یا ایتھا النفس المطمئنۃ ۰ ارجعی الی ربک راضیۃ مرضیۃ ۰ فادخلی فی عبادی وادخلی جنتی یعنے اے نفس آرام یافتہ جو خدا سے آرام پاگیا اپنے رب کی طرف واپس چلا آ تو اس سے راضی اور وہ تجھ سے راضی۔ پس میرے بندوں میں مل جا اور میرے بہشت کے اندر آجا +

اب جن کی حالت نفس مطمئنہ تک نہیں پہنچی وہ پیش ازیں کہ جنت میں جاوے ضرور ہے کہ اپنے اندر نفس مطمئنہ پیدا کرلے اور یہ نفس مطمئنہ پیدا نہیں ہوسکتا جب تک نفس انسانی سے اسکی امراض دور نہ ہولیں جن کے لیے کچھ وقت دوزخ میں جانا ضروریات سے ہے +

پھر ہم اصل مطلب کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ مذکورہ بالا نظام قدرت نے واضح طور پر اس تھیوری کا بطلان کیا ہے۔ جو بعض سماجک اصحاب تناسخ کے متعلق یقین کیے ہوے ہیں۔ بچہ کا کامل مکمل خلقت کو لے کر پیدا ہونا اور ناقص الخلقت بچہ کا اس عالم میں آکر اپنے نقص کو دور کرلینا اور ایسا ہی مذکورہ بالا دیگر عالموں کا نقشہ صاف بتلاتا ہے۔ کہ قرآن کریم کی تعلیم اور ایسا ہی سری کرشن جی مہاراج کے بچن کے مطابق بعض کامل انسان اسی زندگی میں نفس مطمئنہ اور اُتم گتی کی حالت پاکر مرتے ہی جنت کو چلے جاتے ہیں۔ اور نروان کو حاصل کرلیتے ہیں۔ اور بعض انسان جو ناقص اُس عالم میں جاتے ہیں۔ وہ اس جہان میں جنم نہیں لیتے بلکہ اگلے

ہی عالم میں اُن کی اصلاح ہوجاتی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ سری کرشن جہاراج نے ناقص اور پاپی روحوں کے متعلق مرنے کے بعد لوٹنے اور جنم بار بار لینے کے الفاظ استعمال کیے ہیں۔ اور کامل روحوں کے متعلق کہا ہے کہ وہ جنم بندھنوں سے آزاد ہوجاتے ہیں۔ جس سے بھی ایک شخص یہ نتیجہ نکال سکتا ہے۔ کہ روحیں پھر اسی عالم میں لوٹتی ہیں۔ اور اسی عالم میں دوبارہ جنم لیتے ہیں۔ لیکن اس لوٹنے اور بار بار جنم لینے سے یہ کہاں مراد ہے۔ کہ وہ جنم اسی عالم میں لیتا ہے۔ کرشن مہاراج نے جب تناسخ کی مثال عالم طفولیت۔ عالم شباب اور عالم پیری سے دی تو اس طرح آپ نے صاف صاف ظاہر کردیا کہ انسان ادنےٰ عالم سے اعلےٰ عالم کو جا رہا ہے۔ نہ کہ اعلےٰ عالم سے ادنےٰ کی طرف لوٹتا ہے۔ اور یہ جو لفظ لوٹانے کا اور بار بار جنم لینے کا استعمال کیا گیا ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ ایک شخص کو چونکہ اگلے عالم میں چل کر پھر وہ کمال حاصل کرنے ہیں۔ جو اس نے پہلے عالم میں حاصل نہیں کیے تو گویا وہ دوسرے عالم میں جاکر عملاً اور فعلاً پہلے عالم میں لوٹایا گیا۔ اور گویا ان فعلوں کے ذریعہ وہ ابھی پہلے ہی عالم میں ہے۔ مثلاً جو بچہ کمزور خلقت اور جنم لے کر رحم مادر سے باہر نکلا اسکی ابتدائی نشو و نما کے دن تو رحمی کمزوریوں کے رفع کرنے میں لگ جاوینگے۔ جو دن اس نے عالم طفولیت کے مناسب حال قوت پیدا کرنے میں خرچ کرنے تھے۔ وہ دن اس کی اس قوت کے حاصل کرنے میں خرچ ہو رہے ہیں۔ جو اس نے رحم مادر میں حاصل کرنی تھی وہ اس عالم میں بھی آکر وہ کام کر رہا ہے جو اس نے عالم رحم میں کرنا تھا اسی طرح جو بچہ اپنی طفولیت کے عالم میں ہمیشہ کمزور رہا اور طرح طرح کی بیماریوں میں مبتلا رہا حتےٰ کہ عالم شباب تک پہنچ گیا۔ تو وہ اس عالم میں تو ضرور پہنچ گیا ہے۔ لیکن جہاں اُس کے ہم عمر شبابی طاقتوں کو حاصل کر رہے ہیں۔ وہ عالم شباب میں ابھی اُن طاقتوں کو حاصل کر رہے ہیں۔ وہ عالم شباب میں ابھی اُن طاقتوں کو حاصل کرنے کا محتاج ہے۔ جو اُسے عالم طفولیت میں حاصل کرنی تھیں۔ اس طرح اگرچہ اس کے جسم نے عالم شباب میں قدم رکھا ہے۔ لیکن وہ عالم شباب میں آکر پھر گویا عالم طفولیت کی طرف لوٹایا گیا ہے۔ شعور کے نشو و نما کے متعلق بھی یہی حالت ہے۔ اگر ایک بچہ پندرہ سال کی عمر میں تعلیم حاصل

شروع کرے۔ اور اُس عمر تک اس کی کوئی تربیت نہ ہوئی ہو تو یہ کہا جا سکتا ہے۔ کہ اُس نے عالم شباب میں پہنچ کر پھر عالم طفولیت میں جنم لیا ہے یا وہ عالم طفولیت کی طرف لوٹایا گیا ہے۔ اسی طرح ایک ناقص روح ہرگز ہرگز مرنے کے بعد اس روح کی برابری نہیں کر سکتی۔ جس نے اسی عالم میں کمال کو پالیا ہے۔ پیش ازیں کہ اُسے مکتی نصیب ہو۔ ضرور ہے۔ کہ وہ اس کمال کو حاصل کرے جسے اس نے چھوڑے ہوئے عالم میں حاصل کرنا تھا۔ چنانچہ وہ دوسرے عالم میں جاکر کمال کے حاصل کرنے کے لیے گویا وہ اس عالم میں لوٹایا گیا ہے۔ یہی مراد کرشن جی مہاراج کی ہے۔ جہاں وہ فرماتے ہیں۔ کہ انسان جب تک کامل نہ ہو بار بار جنم لیتا ہے۔ اور کمال کے حاصل کرنے کے لیے لوٹایا جاتا ہے +

الغرض مذکورہ بالا بیان نے بڑی وضاحت سے تشریح کر دی ہے۔ کہ جب شری کرشن جی مہاراج پاپ کے وقت دھرم کو قائم کرنے کے لیے بار بار اس دنیا میں تشریف لاتے ہیں تو اُس سے مراد یہ نہیں کہ راجہ کنس کے ہمشیرہ زادہ کی روح آواگون کے ماتحت آنیوالے نبی میں حلول کر کے ظاہر ہوتی ہے۔ بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ کوئی شخص اس منصب کو لے کر دنیا میں آتا ہے کہ جس منصب پر خود سری مہاراج تشریف لائے تھے +

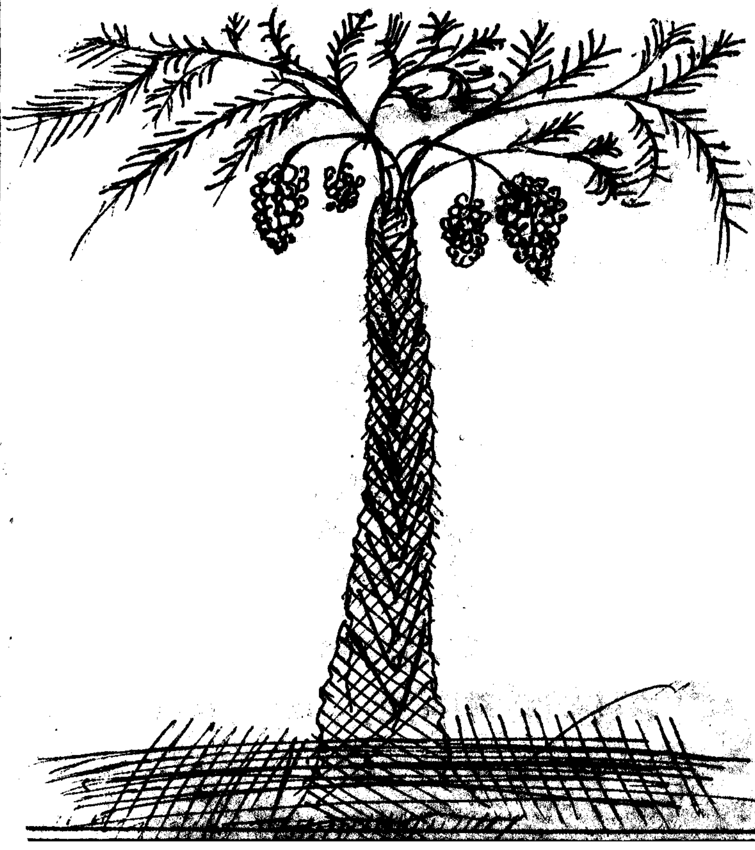
ہم خدا تعالےٰ سے توفیق پاکر اس کتاب کی کسی آیندہ جلد میں دکھلا دینگے۔ کہ ہمارے زمانہ کے مفاسد بھی ایک کرشن کو چاہتے تھے۔ ہمارے زمانہ میں بھی دھرم گھٹ چکا تھا۔ اور ادھرمی بڑھ رہی تھی اس وقت بھی نیکوں[1] کی حفاظت اور بروں کی تباہی کی ضرورت۔ ایک **کرشن رودھر گوپال** کو چاہتی تھی۔ چنانچہ خدا تعالےٰ نے آج سے تیس برس پہلے اس ملک کے **پیغامبر صلاح** کو بدیں الفاظ کہا۔ کہ "ہے کرشن رودھر گوپال تیری مہما گیتا میں لکھی گئی ہے"

परित्राणाय साधूनां, विनाशाय च दुष्कृताम् ॥
धर्म संस्थापनार्थाय, सम्भवामि युगे युगे ॥८॥

[1] نیکوں کی حفاظت کے لیے۔ بُروں کے ناش کے لیے۔ دھرم کے قائم کرنے میں ہر ایک یگ میں ظاہر ہوتا ہوں + (بھگوت گیتا چوتھا ادھیائے ۸ شلوک)

یہ الہام حضرت اقدس سید و مولا جناب مرزا صاحب مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام نے جن الفاظ کے مخاطب تھے اپنی کتاب براہین احمدیہ میں درج فرمایا ہے۔

اس سے مراد یہ تھی کہ یہ زمانہ بھی ناپاک طبع دشٹوں سے بھرا ہوا ہے اور نیک مزاج لوگ ان پلید طبع لوگوں سے دبے ہوئے ہیں۔ اس وقت ایک **رودھر** اور **گوپال** کی ضرورت ہے۔ کہ جو ناپاک پلیدوں کو اپنے آسمانی حربوں سے ہلاک کرے۔ اور **گؤ مزاج** انسانوں کی پالنا کرے۔ چنانچہ اس کی تیر بہدف دعاؤں نے صدہا بڑے انسانوں کو ہلاک کیا۔ اور ان کے مقابل نیک مومنوں کے لیے وہ ماوا و ملجا بنا۔ اور آخرکار اپنے **پیغام صلح** کے ذریعہ وہ لفظاً اور معناً **گوپال** ثابت ہؤا۔ وہ اس نور کو روشن اور منور کرنے آیا جو گیتا میں کرشن کے ذریعہ چمکا لیکن جو آج جہالت اور ناواقفی کے جھونکوں سے ٹمٹما رہا ہے۔



میرے ہموطن بھائیو!

خدا تعالےٰ آپ کو نورِ ہدایت سے معمور کرے۔ اور آپ میں بھی وہ محبت اور اخلاص پیدا کرے۔ کہ جس نے مجھ سے یہ کتاب لکھوائی ہے۔ کرشن اوتار کے بعض مضامین کسی قدر غائر نگاہ کے محتاج ہیں۔ اگر آپ نے اسے سرسری نگاہ سے دیکھا ہے۔ تو آپ ایک ہموطن خادم کی استدعا پر اسے پھر ٹھنڈے دل اور جذبہ سے پاک خیال کے ساتھ مطالعہ فرماویں۔ ممکن ہے اس کے بعض مطالب سے آپ کو اختلاف ہو۔ جس کا تصفیہ آیندہ محبت اور آشتی کے ساتھ ہوسکتا ہے۔ البتہ میری اس تحریر کا وہ شخص مخاطب نہیں کہ جس نے مذہب کی آڑ میں اپنا پیٹ پالنے کے لیے دنیا کے قابلِ عزت انسانوں اور مختلف ممالک کے **ہادیانِ دین** کو اپنی زبان کی درانتی سے زخمی کیا ہو۔ ایسے لوگ مجھے مخاطب کرنے کی تکلیف نہ کریں +

آیندہ کے لیے مَیں نے ارادہ کیا ہے کہ مَیں اُس گیان اور معرفت کا مقابلہ علوم قرآنیہ سے کرکے دکھلاؤں جو ہندوستان میں ایک وقت کے لیے نازل ہوُا۔ اور اس کے لیے مَیں نے **بھگوت گیتا** کو انتخاب کیا ہے۔ بہتر ہوتا کہ رگوید اس کام کے لیے چُنا جاتا لیکن مَیں کیا کروں۔ رگوید کے کسی اشلوک کے کسی ترجمہ پر مختلف فرقہائے ہنود کو اتفاق نہیں۔ اور کسی خاص ترجمہ کو لے کر اس پر کچھ لکھنا رائیگان ہوگا۔ لہذا میں نے شریمد بھگوت گیتا کے بعض حصوں کی تفسیر لکھنے کا ارادہ کیا ہے جو کرشن اوتار کی دوسری جلد ہوگی۔ میری منشا ہے۔ کہ اس قسم کا لٹریچر جس میں مختلف اقوامِ ہند کے اختلاف دور کرنے اور انکو محبت اور آشتی کے متحد پلیٹ فارم پر لانے کی کوشش کی جاویگی کثرت کے ساتھ اس طرح بلاقیمت شائع ہو۔ جس طرح کہ پیغام صلح اور کرشن اوتار شائع ہوا ہے۔ میرے احمدی بھائی اور ایسے ہی اور ہموطن احباب جو میری اس تجویز سے متفق ہوں مجھے اپنی رائے سے اطلاع بخشیں اور حسب ضرورت مدد دیں +

خواجہ کمال الدین وکیل
احمدیہ بلڈنگ
مزنگ لاہور کے